بسم اللہ

نگار

فہرست مضامین ماہ فروری سنہ ۱۹۳۰ء

ایک تصویر صفحہ ۸

ملاحظات ـــــــــــــــــ ۲
شیخ محمد علی حزین۔ عبدالمالک آروی ۹
چندراوتی (افسانہ)۔ سید علی اکبر کاظمی بی اے ۳۳
حقیقت منصور۔ کیفی چریاکوٹی ۴۲
باہیہ خانم (افسانہ) "ابن السبیل" ۵۲
مصحفی وسودا ۔ افسر امروہوی ۔ ۵۶
چند دن لکھنؤ سے باہر نیاز ۷۷
سیاح کی ڈائری کا تتمہ ۸۵
منظومات:۔ اے عشق کہیں لے چل۔ اختر شیرانی ۹۱
جنگ ۔ رفیعی اجمیری ۹۳
مشاہدات ۔ سید علی اختر اختر ۹۴
غزلیات ریاض، سنجر، فرخ ۹۶.۹۵

بسم اللہ

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد ۱۷	فروری ۱۹۳۰ء	شمارہ ۲

ملاحظات

کمبلپور سے واپس ہوتے ہوئے، جب مین ۲۰؍ دسمبر ۱۹۲۹ء کو لاہور آیا، تو یہ خیال بھی دل مین جاگزین تھا کہ اگر وہان کی فضانے کسی حیثیت سے بھی مساعدت کی تو مین کانگرس کی شرکت کا بہانہ کر کے رختِ سفر کھول دونگا اور کم از کم ایک ہفتہ تک اُس سرزمین کا پوری آزادی نشاط کے ساتھ مطالعہ کرونگا جس کی زیارت کا اب سے تقریباً ۲۰ سال قبل موقعہ تو ملا تھا لیکن حالت غلامی و افسردگی مین — مگر جس وقت مین وہان پہونچا، کثیف ابر محیط تھا، اور بارش نے راستون کی تمام عفونتون اور گندگیون کو خمیر کی صورت مین پیش کر رکھا تھا۔ چونکہ کثافت سے مجھے غیر معمولی تنفر ہے اور میرے لئے ایسے راستون پر ایک قدم چلنا بھی دشوار ہوتا ہے، اس لئے یہان پہونچتے ہی تنغص و استکراہ کی کیفیت پیدا ہو گئی اور جس وقت فلیمنگ روڈ کی غلاظتون سے میرا تانگا گزرنے لگا تو حالت بالکل ناقابل برداشت ہو گئی۔ مین اسٹیشن واپس ہی جا رہا تھا کہ دفعۃً مسٹر لطیفی بی۔ اے ملگئے اور بودہیانہ کی ایک شام اور اُسکی صحبت ملیح کا احترام ملحوظ رکھتے ہوے، مینے واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا اور رفیعی اجمیری کی فرودگاہ تک جناب اختر شیرانی کے ایک مہمان کی حیثیت سے آخرکار پہونچ ہی گیا

مسٹر لطیفی سے جو کانگرس مین ڈلی گیٹ کی حیثیت سے شریک ہونے والے تھے، تمام اُن طیاریون کا حال معلوم ہوا جو کانگرس کو کامیاب بنانے کے لئے اہل لاہور کی طرف سے عمل مین آرہی تھین، لیکن اس وقت میرے سامنے صرف ایک ہی حقیقت تھی

اور وہ یہ کہ موسم کی ناگواری اور سردی کی شدت حقیقتاً بلائے بد ہے، اس نئے مستقبل کی دلچسپیوں پر حال کی اذیتیں غالب آئین اور دوسرے ہی دن مین نے کھلا ہوا بستر پھر لپیٹ لیا۔ علاوہ اس کے یون بھی مین اپنی شرکت کانگرس کو کوئی اہمیت نہ دے سکتا تھا کیونکہ مجھے نہ اس کے ممبر ہونے کا فخر حاصل ہے، نہ ڈلی گیٹ بننے کا امتیاز۔ رہا معمولی تماشائی کی حیثیت سے جانا، سو اس کو بھی طبیعت نے گوارا نہ کیا اور اپنے ذرائع معلومات کو صرف اخبارون کے بھروسہ پر چھوڑ کر واپس آگیا

اس تمہید سے غالباً یہ رائے قائم کیجائے گی کہ مجھے کانگرس سے دلچسپی نہین ہے، جہانتک شرکت کا سوال ہے یہ رائے یقیناً صحیح ہے لیکن جس حد تک معاملات کا تعلق ہے، یہ رائے بالکل غلط ہے۔ گو مین کانگرس مین شریک نہین ہوا لیکن مین نے اس کی ہر کارروائی کو پڑھا، اس کے تمام مد و جزر پر نگاہ رکھی اور خود بھی ایک رائے قائم کی کہ جو کچھ وہان ہوا وہ کس حد تک جائز و درست ہے اور کس حد تک ناروا و غیر قابل عمل

مین اس ماہ کے ملاحظات مین اسی پر اظہار خیال کرونگا اور ناظرین نگار کے سامنے ملخصاً وہان کی کارروائی کو پیش کر کے اپنی ذاتی رائے بھی دونگا

قبل اس کے کہ آپ لاہور کانگرس کی کارروائی پر کوئی نتیجہ طلب نگاہ ڈالین ضروری ہے کہ گزشتہ سال کے سیاسیات پر غور کر لین۔ نہرو رپورٹ کی تکمیل کے بعد دو پہلو قابل غور پیدا ہو گئے تھے ایک قلیل جماعتونکا اختلاف اور دوسرے کلکتہ کانگرس مین گاندھی جی کے اُس مصالحت طلب رزولیوشن کا پاس ہو جانا کہ اگر ۳۱ دسمبر سنہ ۲۹ء تک حکومت نے نہرو رپورٹ کے اصول پر ڈومی نین ہوم رُول ہندوستان کے لئے منظور نہ کیا تو پھر کانگرس کا مطالبہ "کامل آزادی" ہوگا

نہرو رپورٹ کے واضعین کا جو مقصود بھی رہا ہو، لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ سائمن کمیشن کے مضرت رسان نتائج کو اسنے ضرور بڑی حد تک دور کر دیا اور حکومت نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ باوجود قلیل جماعتون کے اختلاف کے بھی، نہرو رپورٹ پر سائمن کمیشن کے نتیجہ سے علیحدہ ہو کر غور کرنا ضروری ہے، چنانچہ لارڈ ارون کا سفر انگلستان، وہان سے واپس آکر انکا ہمدردانہ، امید افزا پیام، گول میز کانفرنس کے انعقاد کی طیاریان، یہ سب نہرو رپورٹ ہی کے نتائج تھے۔ اب اسکے ساتھ اختلافی پہلو پر بھی نگاہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ بھی بے نتیجہ نہین رہا اور حکومت نے اس سے پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی یعنی حکومت نے اپنی جگہ یہ سوچ لیا کہ جس وقت گول میز کانفرنس مین ہندوستان کی تمام جماعتون کے نمایندے موجود ہون گے تو یقیناً وہ اختلاف بھی رونما ہوگا جو اس وقت تک دور نہین ہو سکا اور حکومت کے لئے بہت آسان ہوگا کہ وہ نہرو رپورٹ کو یہ کہکر رد کر دے کہ سارا ہندوستان چونکہ اسپر متفق نہین ہے اس لئے یہ تجویز ناقابل عمل ہے

نہرو رپورٹ کے مرتب کرنے والے اس رمز سے واقف تھے اور اسی لئے انھون نے ویسرائے سے گول میز کانفرنس کی شرکت کی اولین شرط یہ قرار دی کہ حکومت اس امر کا وعدہ کرے کہ وہان صرف ڈومی نین اسٹیٹس پر بحث ہو گی نہ اس امر پر کہ اُسکا دیا جانا مناسب ہے یا نہین یعنی حکومت پہلے اصولاً ڈومی نین ہوم رُول کا دیا جانا منظور کرے۔ چونکہ ویسرائے یہ وعدہ نہ کر سکتے تھے

اس لئے لاہور کانگرس کی فضا ایک تو اس لحاظ سے کہ ویسرائے اور لیڈروں کی یہ کانفرنس ناکام رہی، دوسرے اس حیثیت سے کہ کانگریس کے لئے جس صدر کا انتخاب ہوا وہ خود اشتراکیت پسند تھا اور تیسرے اس سبب سے کہ خود سرزمین پنجاب کا جوش خود حکومت کے خلاف کافی طور پر بڑھا ہوا تھا۔ کہے دے رہی تھی کہ اگر آزادی کامل کے مطالبہ کے علاوہ کوئی اور رزولیوشن پیش کیا گیا تو کبھی کامیاب نہ ہوگا، خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہستی کی طرف سے پیش کیا جائے۔ پھر اسی کے ساتھ اُس چیلنج کو بھی سامنے رکھئے جو کلکتہ کانگریس میں حکومت کو دیا گیا تھا تو معلوم ہوگا کہ گاندھی جی نے مطالبۂ آزادی کا جو رزولیوشن لاہور کانگریس میں پیش کیا تھا وہ ایک نوع کی سیاسی، اخلاقی اور مقامی مجبوری تھی اور نہ یہ حقیقت گاندھی جی سے بھی پوشیدہ نہیں کہ ملک سول نافرمانی کے لئے طیار ہے اور نہ کسی اور ایسے مظاہرہ کے لئے جو آزادی کامل سے ملک کو قریب تر کردے

گاندھی جی کی اس تجویز کے خلاف ۲۶ ترمیمیں پیش ہوئیں لیکن جن پر اجلاس پر بحث و مباحثہ ہوا وہ صرف چند تھیں۔

(۱) ایک ترمیم پنڈت مالوی جی کی تھی کہ فروری کے آخری ہفتہ تک آزادی کامل کے مطالبہ کو ملتوی کرکے آل پارٹیز کانفرنس کے ذریعہ سے گول میز کانفرنس کی شرکت و عدم شرکت پر غور کیا جائے اور پھر جو فیصلہ ہو اس پر عمل ہو۔ مالوی جی کا مقصود یہ تھا کہ ایک موقعہ حکومت کو اور دیا جائے

(۲) دوسری تجویز چودھری فضل الحق کی تھی کہ اپریل تک مکمل آزادی کے اعلان کو ملتوی کرکے گول میز کانفرنس میں مطالبات کو کامیاب بنانے کی کوشش کیجائے

(۳) تیسری ترمیم مسٹر سوبھاش چندر کی تھی کہ مکمل آزادی حاصل کرنے کے لئے فوراً مقابلہ کی ایک گورنمنٹ مقابلہ کی قایم کردیجائے

(۴) چوتھی ترمیم ڈاکٹر محمد عالم کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ اصل رزولیوشن سے اُس حصہ کو نکال دیا جائے جس میں ویسرائے کی کوششوں کو بہ نظر استحسان دیکھنے کا ذکر تھا

(۵) پانچویں ترمیم یہ تھی کہ کونسلوں کے بائیکاٹ سے میونسپل بورڈ کو علٰحدہ کردیا جائے

ان تمام ترمیموں سے صرف موخرالذکر ترمیم پاس ہوئی، باقی رد ہوگئیں۔ اور اصل رزولیوشن گویا اس مفہوم کا پاس ہوا کہ "کانگرس کا نصب العین مکمل آزادی ہے اور اس کے حصول کے لئے کانگرس سول نافرمانی کے لئے ملک کو طیار کریگی، اسی کے ساتھ کونسلوں، اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ سے کانگرس کے نمایندوں کو نکل آنے کا حکم دیا گیا"

اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا کانگرس کا یہ رزولیوشن قابل عمل ہے یا نہیں اور نیز یہ کہ کیا ایسی تجویز صورت حالات کے لحاظ سے مناسب قرار دیجاسکتی ہے یا نہیں؟

میرے نزدیک مناسب یہ تھا کہ فی الحال مکمل آزادی کی تجویز گول میز کانفرنس کے انعقاد تک ملتوی کردیا جاتا اور وہیں

یہ مطالبہ پیش کیا جاتا کہ اس کانفرنس مین صرف ڈومی نین اسٹیٹس پر بحث کیجائے اور برطانوی حکومت اس کانفرنس کی تجویز کو تسلیم کرے۔ اگر یہ دونون شرطین منظور ہو جاتین تو خیر، ورنہ کانفرنس کو چھوڑ کر چلے آتے اور بہ محل ایسا ہوتا کہ شاید اس کے بعد ہندوستان کے کسی فریق کو اختلاف نہ ہوتا اور موجودہ صورتِ افتراق پیدا نہ ہوتی۔ ایک تو یہ پہلو تجویز کا ہے جس کے لحاظ سے اسکو قبل از وقت کہا جا سکتا ہے۔ دوسرا حصہ تجویز کا جو کونسلون وغیرہ کے بائیکاٹ کے متعلق ہے۔ وہ بھی میری رائے مین نا مناسب ہے، کیونکہ اگر اس باب مین سارا ملک ہم آہنگ ہوتا تو کوئی نتیجہ پیدا ہو سکتا تھا، لیکن بحالت موجودہ اس سے کوئی مفید نتیجہ مرتب نہین ہو سکتا۔ کیونکہ کونسلون کی خالی جگہ کے لئے بیس امیدوار گورنمنٹ کو مل جائین گے اور اس طرح حکومت کو اور زیادہ تشدد کا موقعہ مل جائیگا

مقابلہ کی تدابیر مین اولین اصول یہ ہے کہ فریق مخالف کے ذرایع مخالفت کو امکان بھر ضعیف و محدود کر دیا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ کونسلون مین سے کانگرس کے آدمیون کا چلا جانا، حکومت کے ہاتھون کو اور قوی بنا دینا ہے اور یہ مصالح جنگ کے بالکل خلاف ہے۔ گاندھی جی کا یہ فرمانا یقیناً اخلاق و صداقت کی دنیا مین عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا کہ جب مکمل آزادی کا عقیدہ اختیار کر لیا ہے تو کونسلون مین جانے کے بعد حلف وفاداری لینے کے کوئی معنی نہین رہتے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ دور[illegible] اندیشی و ڈپلومیسی بالکل دوسری چیز ہے اور اس کا اقتضا یہی ہے کہ کونسلون پر پورا قبضہ قایم کیا جائے علی الخصوص اس وقت جب کہ خود ہم نے ابھی تک کسی آزاد گورنمنٹ کی تشکیل نہین کی ہے اور یہ بھی منجملہ اُن ذرائع کے ہے جو اصل مقصود تک پہونچنے کے لئے اختیار کئے جا رہے ہین۔ الغرض رزولیوشن کا یہ حصہ بہت مضرت رسان ہے اور اس سے ملک کو سخت نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے

بہر حال اس وقت ملک کی سیاسی حالت عملاً پہلے سے بہتر حالت مین نہین ہے گو اصولاً کیسی ہی اچھی ہو، کیونکہ باوجود کامل آزادی کے مطالبہ کے جو تمام جماعتون کا حقیقی مقصود ہے، اختلاف ہنوز باقی ہے اور سمجھ مین نہین آتا کہ ایسا کیون ہے، سوائے اس کے کہ اس کو ذاتی کدورتون اور انتقامی جذبات پر محمول کیا جائے۔ اعتدال پسند حضرات کے نزدیک کانگرس کا فیصلہ قبل از وقت ہے تو اس کو اتنا ہی کہنا اور سمجھنا چاہئے، نہ یہ کہ اُسے گمراہ کن ثابت کیا جائے۔ کیونکہ اس کے گمراہ کُن ہونے کی صورت صرف یہی ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے مطالبات مین کمزوری کا اظہار کرتی، لیکن جب اس نے اپنا مطالبہ وہ رکھا ہے جس سے ہندوستان کے کسی باشندہ کو اصولاً اختلاف نہین ہو سکتا تو پھر اسپر گمراہ کُن ہونے کا الزام کیونکر عاید ہو سکتا ہے

خلافت کانفرنس کی کارروائیان جسے بالفاظ دیگر علی برادران کانفرنس کہنا چاہئے، نہایت ہی مضحک مگر دلچسپ تھین اول تو اس مین شریک ہونے والے حضرات ہی بہت کم تھے اور جو ہوئے بھی اُن مین سے چند رجعت پسند لوگ تھے اور باقی علی برادران کی پارٹی کے۔ دو چار نمایندے جو موجودہ خلافت پالیسی کے مخالف تھے ان غریبون کو وہان سے نکال کر میدان اپنے لئے بالکل صاف کر لیا گیا تھا۔ لیکن پُر لطف بات یہ ہے کہ باوجود ان تمام کوششون کے بھی نتیجہ اُن کے خاطر خواہ نہ نکلا۔ شفیع اسرا قبالی

وغیرہ نے اس شرط کے ساتھ خلافت کانفرنس مین شرکت کی تھی کہ وہان مکمل آزادی کا رزولیوشن پاس نہ کیا جائیگا اور ارباب خلافت نے اس کا وعدہ بھی کر لیا لیکن جس وقت گول میز کانفرنس کے خیر مقدم کی قرارداد پیش کی گئی تو اس کی سخت مخالفت ہوئی اور آخر کار مجبور ہو کر مکمل آزادی کی شرط بڑھانا پڑی، دوسری تجویز یہ منظور ہوئی کہ تمام صوبون مین نیابت تناسب آبادی کے لحاظ سے ہو۔ اس تجویز کے بہتر ہونے مین کس کو گفتگو ہو سکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ تجویز بھی بعد از وقت منظور کی گئی۔ اگر مسلمان اب سے ایک سال قبل ہی اس پر راضی ہو جاتے تو یہ اختلاف کیون رونما ہوتے اور اقلیت واکثریت کا تصادم کیون ہوتا بہر حال ایک عمومی تبصرہ کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس وقت اصولاً تمام جماعتین تو متحد ہین لیکن عملاً ان مین اختلاف ہے، اور یہ اختلاف ایسا شدید نہین ہے کہ دُور نہ ہو سکے

مفاہمت ومصالحت کا صرف ایک ہی طریقہ ہوا کرتا ہے اور وہ یہ کہ نرم گرم دونون فریق اپنی اپنی ضد سے باز آجاتے ہین اور ایک درمیانی صورت ایسی پیدا کر لیتے ہین جسے غرض مشترک قرار دیا جائے۔ اس لئے میرے نزدیک ضرورت اس امر کی ہے کہ آل پارٹیز کانفرنس کو پھر طلب کیا جائے اور وہان صرف عملی پہلوؤن پر غور کر کے کوئی پُرامن وصحیح راستہ حصول مقصود کا تلاش کیا جائے۔ گاندھی جی اور اُن کے رفقاء اچھی طرح سمجھتے ہین کہ اب ملک سول نافرمانی کے عمل ہو سے آمادہ نہین ہو سکتا اور وہ اپنی جگہ غور کر رہے ہین کہ کیا صورت اختیار کرنا چاہئے۔ اسی طرح مخالفین بھی متردد [illegible] نگریس سے علیحدہ ہو کر کامیاب نہین ہو سکتے اور کوشان ہین کہ ملک کی صحیح رہبری کرین۔ اس لئے امید ہے کہ ان دونون فریقون کا یہ تردد کسی ایسے نقطہ پر آئیگا جہان دونون متفق ہو جائین گے۔ لیکن یہ صرف اسی حالت مین ممکن ہے کہ دونون جماعتون مین سے پہلے اُن ہستیون کو بالکل علیحدہ کر دیا جائے جن کا مقصود صرف تخریب وفساد ہے اور ملک کی اصلاح ان کا مقصود نہین۔ انھین ہستیون مین میرے نزدیک وہ انتہا پسند اور ناآزمودہ کار نوجوان بھی ہین جو انقلاب پسندی کا مفہوم صرف بدامنی پیدا کرنا سمجھ رہے ہین۔ ہندوستان کی حالت ہرگز اس کی مقتضی نہین ہے کہ سختی وتشدد سے کام لیا جائے اور بم پھینکنے کو صحیح تدبیر خیال کیا جائے۔ چنانچہ حال ہی مین ویسرائے کے اسپشل ٹرین کو بم سے صدمہ پہونچانے کی جو کوشش کی گئی وہ بجائے مفید ہونے کے مُضر ہے اور ایسے ناعاقبت اندیش لوگون سے تمام بہی خواہان ملک کو اظہار بیزاری کرنا چاہئے

اس ماہ کے نگار مین باب الاستفسار اور معلومات کے لئے جگہ نہ نکل سکی۔ ماہ آئندہ مین اس کی تلافی کی کوشش کی جائیگی

پہلا مضمون حزین کے متعلق مولوی عبد المالک آروی کی تحقیق وکاوش کا نتیجہ ہے۔ اس حصہ مین فاضل مقالہ نگار نے صرف حزین کی زندگی اور اُس سے متعلق بعض تمدنی وسیاسی اشارات سے بحث کی ہے جو بجائے خود بہت مفید وکارآمد چیز ہے۔ آئندہ اشاعت مین اس کی شاعری پر ایک دلچسپ تبصرہ ہوگا۔ ہم جناب عبد المالک صاحب کے شکر گزار ہین کہ انھون نے اس مبحث پر کافی دلچسپ مواد فراہم کیا اور نگار کو اشاعت کے لئے مرحمت فرمایا

چندراوتی ایک فسانہ ہے جسے ہمارے قدیم کرمفرما جناب سید علی اکبر کاظمی بی اے (کمبرج) نے تحریر فرمایا ہے۔ صاحب موصوف صوبۂ بہار کے ایک معزز خاندان کے فرد ہین اور وہان کے محکمۂ تعلیم مین اعلیٰ عہدہ پر سرفراز ہین۔ آپ کو اُردو زبان سے (باوجود اس بیگانگی کے جو ولایت کے طویل قیام کے دوران مین پیدا ہوجانا لازم ہے) بہت دلچسپی ہے، اس سے قبل بھی نگار مین آپ کے کئی فسانے شائع ہوکر پسند کئے جاچکے ہین

حقیقت منصور مولانا کیفی چریاکوٹی کا مضمون ہے، جو پوری کیفیت تصوف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ تحقیق کے نقطۂ نظر سے میرے نزدیک اس مین گفتگو کی کافی گنجایش ہے، عرصہ ہوا مین نے منصور کے متعلق بہ سلسلۂ استفسار اپنے خیالات ظاہر کئے تھے لیکن انکا تعلق صرف سیاست وشریعت سے تھا، روحانی کیفیات کے لحاظ سے مین نے کوئی گفتگو نہین کی تھی جس کو آج مولانا کیفی پورا کر رہے ہین اور پورے مبالغہ کے ساتھ۔ یہ مضمون صاحبان ذوق وشوق کے لئے گویا "محفل قوالی" کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے، امید ہے کہ پسند کیا جائیگا

باہیہ خانم فسانہ نہین ہے بلکہ جناب ابن السبیل کا ایک تجربہ ہے منجملہ ان بہت سے دلچسپ تجربات کے جو ممالک غیر کی سیاحت کے دوران مین انھین حاصل ہوئے۔ ہمین امید ہے کہ ابن السبیل صاحب آیندہ بھی اس قسم کے واقعات سپرد قلم کرتے رہین گے جو حقیقتاً فسانون سے زیادہ دلچسپ ہین

جناب افسر امروہوی اس سے قبل مصحفی ومیر کا تقابل کرچکے ہین۔ اس مرتبہ انھون نے مصحفی کو سودا کے مقابل پیش کیا ہے۔ جناب افسر وہین کے رہنے والے ہین جہان مصحفی کا مسکن تھا اور شاعری مین بھی اس کے متبع ہین۔ اس مین شک نہین کہ مصحفی جس مرتبہ کا شاعر تھا اس کو ابتک بہت سے لوگون نے نہین سمجھا اور ضرورت ہے کہ ملک کے ارباب قلم کو اس موضوع پر لکھنے کی دعوت دیجائے۔ چنانچہ ارادہ ہے کہ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء کا رسالہ اسی مبحث کے لئے مخصوص کردیا جائے اور کافی ضخیم نکالا جائے ماہ آیندہ مین ایک مفصل اعلان اس باب مین کیا جائے گا

"چند دن لکھنؤ سے باہر" میرا مضمون ہے جسے اپنے بعض مخلص احباب کے الطاف وعنایات کے ایک ناقص اعتراف کی حیثیت پیش کرنے کی جرأت کرتا ہون

"سیاح کی ڈائری کا تتمہ" وہی مضمون ہے جس کا وعدہ دسمبر سنہ ۲۹ء کے نگار مین کیا گیا تھا، معلوم نہین اس کا شکریہ سیاح کی خدمت مین بھیجا جانا چاہئے یا اُن کے نمایندہ کے پاس ——— مگر کیون نہ دونون کو شامل کرلیا جائے

نظمون مین جناب اختر شیرانی کی نظم اے عشق کہین لیچل، ایک ایسی والہانہ چیز ہے جس کو سننے کے بعد بجائے داد دینے کے ان پر رحم کرنے کو جی چاہتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے آپ کے دل دکھانے سے کیا ہوتا ہے، جب تک وہی متوجہ نہ ہو جس کے عدم التفات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے جناب اختر اپنے عشق کو "دیے پرندش" کا معمول بنانا چاہتے ہین۔ اس نظم کے اکثر بند اسقدر لطیف ہین کہ ان کو پڑھنے کے بعد بے اختیار جی چاہنے لگتا ہے کہ کاشکے مین بھی

ان کو خیالی دنیا مین ان کی سلمائی فضا مین ایک تلخ حقیقت کی حیثیت اختیار کر سکتا

دوسری نظم جناب رفیعی اجمیری کی ہے جس مین صنعت آہنگ سے کام لیا گیا ہے۔ صنعت آہنگ سے مراد یہ ہے کہ موضوع کے لحاظ سے ایسے الفاظ استعمال کئے جائین جو اس کی تصویر کھینچنے مین پوری مدد دے سکین۔ مثلاً میر انیس کا مشہور مصرع ہے:

نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

اس مین ڈکارنا، ضیغم اور کچھار یہ تینون لفظ ایسے ہین جو مہیب صحرا سے ایک خوفناک شیر کے نکلنے کی تصویر کو پوری طرح ظاہر کر رہے ہین اگر ان ثقیل الفاظ کے بجائے ہلکے الفاظ یہان رکھدئے جائین تو کبھی مقصود حاصل نہین ہو سکتا۔ جناب رفیعی نے بھی جنگ کے لحاظ سے وہی الفاظ اس نظم مین استعمال کئے ہین جو جنگ کے وحشت وہراس، خوف ودہشت وغیرہ کو بخوبی ظاہر کرتے ہین۔ اردو اس رنگ کی نظمین بہت کم لکھی جاتی ہین

نظم "مشاہدات و واردات" ہمارے عزیز دوست مولوی سید علی اختر اختر کا عطیہ ہے۔ ناظرین نگار اس سے قبل بھی آپ کی نظمین بہت پسند کر چکے ہین اور اس مین کلام نہین کہ آپ کا حکیمانہ طرز ادا جو فطرتِ انسانی کے غایر مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ یقیناً داد وستایش کا مستحق ہے

غزلون مین اس مرتبہ ایک غزل آپ کو ایک قدیم لیکن نگار کے لحاظ سے بالکل جدید ہستی ریاض خیرابادی کی نظر آئے گی۔ جناب ریاض کی ہستی تعارف وتقریب سے مستغنی ہے اور ہم سید امتیاز علی بی اے اسسٹنٹ اڈیٹر ہمدم کے ممنون ہین کہ انھون نے اپنی جیب سے ریاض کی یہ غزل نکال لینے مین مطلق کوئی مزاحمت نہین کی۔ مین جناب ریاض سے یہ استدعا نہین کرونگا کہ آیندہ کے لئے براہ راست کرم فرمائی کا شیوہ اختیار کرین، کیونکہ سوال کی خو مجھ مین کبھی پیدا نہین ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ اس غزل مین ریاض کے بعض بعض شعر ایسے ہین جس سے ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ وہ زندگی اور تاثرات کے کس دور سے گزر رہے ہین۔ جناب سنجر عظیم آبادی نے بھی بعض شعر خوب فرمائے ہین اور جناب فرخ بنارسی کے رنگ تغزل کے متعلق لکھنا اس لئے غیر ضروری ہے کہ ناظرین، نگار اس سے آشنا ہو چکے ہین اور پسند کر چکے ہین

۱۹۳۰ء کا جو پروگرام نگار کی ترتیب وتہذیب کے متعلق طیار کیا گیا ہے اس کے متعلق مین کوئی تفصیل فی الحال دینا مناسب نہین سمجھتا لیکن وہ حضرات جنھون نے یقیناً غلط فہمی کی بنا پر میری تنقیدات کو عصبی رنگ کی چیز سمجھا، اپنی جگہ مطمئن ہو جائین کہ یہ سال مین نے اپنے ضغطۂ دماغی کے دور کرنے کے لئے "سِن راحت" قرار دیا ہے بالکل اسی طرح جیسے یہودی روایات کے مطابق الوہم نے چھ دن تک کام کرنے کے بعد ساتوین دن کو "یوم السبت" قرار دیا تھا

مین ۶ر فروری ۱۹۳۰ء کو براہ قاضی پیٹ روانہ ہو کر ۸ر کو حیدرآباد پہونچونگا اور جناب ہوش بلگرامی کے دولت کدہ پر رسالہ عبداللہ قدیم مین قیام کرونگا۔

نیاز

شیخ محمد بن ابو طالب علی حزین لاہجی

مقدمہ

شیخ کے کلام پر جب ایک مبصر کی نگاہ پڑتی ہے، تو وہ کسی قدر غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچتا ہے، کہ انہوں نے اپنا تمام سرمایۂ خیال غزلگوئی میں صرف کیا ہے، یوں تو آپ کے کلام میں غزلیات و قصائد بھی ہیں رباعیات و مثنوی بھی، لیکن جو برجستگی حلاوت و لطافت آپ کی عشقیہ شاعری میں پائی جاتی ہے، وہ دیگر اصناف سخن میں نہیں لہذا آج کی صحبت میں، شیخ کے محاسن کلام میں زیادہ تر غزلیات کو لوں گا، اور بتاؤں گا کہ شیخ نے غزل گوئی میں کیا خصوصیت پیدا کی اور یہ کہ فارسی کے اکابر شعراء میں آپکا کیا درجہ ہے؟

قبل اس کے کہ اصل موضوع سے تفصیلی بحث کروں، زیادہ مناسب ہے کہ فارسی کی عشقیہ شاعری پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لوں' میرے نزدیک "غزل گوئی" ہی کا دوسرا نام "عشقیہ شاعری" ہے کیونکہ غزل میں وہی جذبات ادا کئے جاتے ہیں، جو مظاہر عشق ہیں اس لئے لذت وصل، درد فراق، اضطراب محبت، پرستش حسن، مستی شباب، راز و نیاز، اور رموز خلوت و جلوت کو علوئے تخئیل اور عذوبت بیان کے ساتھ پیش کرنا ایک اچھے غزلگو کا فرض اولین ہے۔ اور بنابراں عشقیہ شاعری پر بحث کرنے سے پہلے اگر خود "عشق" پر بھی لغوی، مذہبی اور نفسیاتی نقطۂ نظر سے ایک نگاہ ڈال لی جائے تو غالباً بے محل نہ ہوگا۔

عشق کی لغوی اور مذہبی وضاحت

عشق ایک عربی لفظ ہے، جس سے معاشقہ، تعشق، عاشق وغیرہ مشتق ہیں، بعضوں نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ یہ عشقہ سے ہے، جس کے معنی لبلاب ہیں، لبلاب اس بیل کو کہتے ہیں جو اکثر درختوں کے اوپر پھیل جاتی ہے، اور جس درخت پر پھیلتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے، عشق کی بھی یہی حالت ہے، ہر چند یہ خالص عربی لفظ ہے، اور قدیم عربوں کی شاعری میں کثرت سے استعمال ہوا ہے، چنانچہ ایک شعر ہے جسے مجنوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

تعشقت لیلی وھی غر صغیرۃ　　وان کنت ابن سبع ما بلغت الثمانیا

ابو تمام کے حماسہ اور دوسرے قدیم عربوں کے کلام میں یہ لفظ پایا جاتا ہے، لیکن باینہمہ قرآن مجید نے اسے کہیں استعمال نہیں کیا، باوجودیکہ بعض قدیم شعرائے عرب کے کلام میں جو الفاظ و فقرے آئے ہیں وہ بجنسہ قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے، کہ قدیم عربوں کی معاشرتی زندگی میں عشق کا اخلاقی معیار ایسا پست ہو گیا تھا، جسے سنجیدہ زندگی حسن اخلاق کی لطافت سنجیوں، اور محبت عفیف کی حقیقی شورشوں سے تعبیر کرنے کے لئے تیار نہیں تھی، لہذا قرآن مجید نے خالق و مخلوق کے عشقیہ رموز، عورت و مرد کے والہانہ جذبات محبت، باپ اور بیٹے کے عاشقانہ واقعات فدائیت بیان تو کئے لیکن کہیں

"عشق کا لفظ استعمال نہوا، خالق و مخلوق کے عشقیہ رموز کی جو پردہ دری کی جاتی ہے وہ ان الفاظ ہیں

ومن الناس من یتخذ من دون اللّٰہ انداداً یحبونھم کحب اللّٰہ والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ (بقرہ)

اسی طرح جب بیٹے کے ساتھ باپ کے عشقیہ رمز کا انکشاف کیا جاتا ہے تو اس اسلوب سے اذ قالوا لیوسف واخوہ احب الی ابینا منا

عام اصطلاح میں عشق کا جو مفہوم لیا جاتا ہے، قرآن مجید نے اسے بھی بیان کرتے ہوئے "حُب" ہی کا لفظ استعمال کیا ہے،

وقال نسوۃ فی المدینۃ امرأۃ العزیز تراود فتاھا عن نفسہ قد شغفھا حبا۔

الغرض قرآن مجید نے رموز عشقیہ کی توضیح میں عشق کے بجائے حب کا لفظ استعمال کیا، لیکن احادیث میں یہ لفظ پایا جاتا ہے، چنانچہ مشہور حدیث ہے، جسے مولانا جامیؒ نے بہارستان میں بھی نقل کیا ہے، من عشق وکتم وعف ثم مات مات شہیداً

عشق کی نفسیاتی تصریح

بعض ماہرین نفسیات کا خیال ہو کہ عشق، شباب یا بہ الفاظ دیگر جذبۂ جنسی کی پیداوار ہے، اگر یہ صحیح مان لیا جائے تو شعور جنسی کی مفصلہ ذیل بحث سے یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ ہر انسان میں علی قدر مراتب، معاشقہ کی صلاحیت موجود ہے، شعور جنسی جہاں تک طوفان خیز ہوگا وہاں تک عشق بھی اس حد تک بلا انگیز ہوگا، چونکہ جذبۂ جنسیت کا غلبہ عہد شباب میں ہوا کرتا ہے، لہذا عشق کا تسلط عہد شباب ہی میں ہوتا ہے۔

عمومیت عشق کے متعلق پروفیسر ولیم جیمس "مبادی نفسیات" جلد دوم میں عنوان "ارادہ" کے اندر ایک نہایت دلچسپ واقعہ لکھتا ہے،

شورش عشق کو ایک خاص قسم کے جنون سے تعبیر کر سکتے ہیں جو بعض افراد پر طاری ہوتا ہے: ؎

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

ہر چند ہم لوگ صاحب ہوش وحواس ہی کیوں نہوں، یہ شوریدگی عشق محبوب کے ساتھ حقارت و نفرت کے باوجود قایم رہتی ہے، الفیری خود اپنی پرزور تصادمانہ قوت اور ایک خاتون کے ساتھ غیر معمولی تہیج عشقیہ کے واقعات لکھتا ہے۔

"میں ایک بار ایسی کراہت آمیز کیفیت میں مبتلا ہوا جو میری نظر میں نفرت انگیز معلوم ہونے کے باوجود مجھ پر طاری رہی، اور اگر یہ کچھ عرصہ تک یونہی قایم رہتی تو یا تو میں مبتلائے جنون ہو جاتا، یا میری زندگی کے دن ہی ختم ہو جاتے، میں اس ذلت انگیز سلسلہ میں جنوری ۱۷۷۵ء کے اخیر تک مبتلا رہا، اس وقت تک یہ شعلہ میرے دل وجگر میں پنہاں تھا، اب یہ نہایت شدت کے ساتھ شورش افزا معلوم ہونے لگا، ایک دن شام کو جب میں تفریح گاہ سے واپس آیا، جہاں میں کئی گھنٹے تک اس محبوبہ خاتون کے ساتھ جو میرا مطمح نظر بھی تھی اور مرکز نفرت بھی، بیٹھا رہا، تو مکان آکر میں نے عزم صمیم کر لیا کہ اب ہمیشہ کے لئے اسکی محبت سے آزاد ہو جاؤں گا، میں اپنی خصوصیت عادات اور سخت گیری سے واقف تھا، میں نے سوچا کہ اگر فلاں حکمت عملی کی جائے تو میں اس آزار روحانی سے نجات پالوں گا، میں نے تہیہ کر لیا کہ اب گھر سے باہر ہی نہ جاؤں گا، میرا گھر اس خاتون کے مقابل تھا، میں نے یہ بھی ارادہ کر لیا کہ اپنی کھڑکی بھی نہ کھولوں گا، اور نہ اس خاتون کو آمد و رفت کے وقت دیکھوں گا، نہ اس کی آواز سنوں گا، یہاں تک کہ خاتون کی نسبت آمیز یاد، یا اس کا بالواسطہ یا بلاواسطہ اقدام محبت، میرے قلب میں عشق و محبت کی بقا نہیں رکھ سکتا، میرا ارادہ راسخ ہو گیا تھا کہ میں یا تو خود کو اس آزار محبت سے آزاد کروں گا، یا جان دیدوں گا، میں نے اپنا یہ ارادہ اپنے ایک گہرے دوست پر ظاہر کیا،

جو مجھ سے گہری محبت رکھتا تھا، اور میں اسکی تعظیم و تکریم کرتا تھا، اسے میری اس دماغی حالت پر بہت افسوس آیا، لیکن اس نے میری پر درد حالت کا نظارہ ملال آگیں نہ کرنے کی غرض سے، اور مجھے اس عمل سے باز رکھنے کی ترغیب ناممکن دیکھکر، میرے یہاں آمد و رفت ہی ترک کر دی، چند سطور میں میں نے اسے اپنی اس تدبیر کا حال لکھا، جو میں نے خود جنون عشق سے شفا پانے کے لئے اختیار کی تھی، اور اپنی پختگی ارادہ کے ثبوت میں مینے پیشانی کے بال کاٹ ڈالے، میں نے عمداً اسے کاٹ دیا تھا، تاکہ باہر نہ جا سکوں، چونکہ اس وقت گداگروں اور ملاحوں کے سوا، دوسرا آدمی چھوٹے چھوٹے بال رکھ کر پبلک میں نہیں آتا تھا، میں نے اپنے ایک شاگرد کو متعین کیا اور اسے قسم دیدی کہ وہ میرے ارادہ اور تدبیر میں میری مدد کرے، اس صورت سے میں اپنے گھر میں محبوس رہا، اور ہر قسم کے تعلقات ترک کر دئے، اس طور سے پندرہ دن ماتم اور نالہ و بکا میں بسر ہوئے، میرے بعض دوست میری ملاقات کیلئے آئے اور نہیں میری حالت پر رحم آیا، ہر چند میں نے اسکا شکوہ نہیں کیا لیکن انھوں نے میری شکل و صورت سے میرے آزار کا پتہ لگا لیا، کچھ پڑھنے کے ارادہ سے میں نے اخبار کا مطالعہ شروع کیا، جس کے ورق کے ورق میں نے پڑھ ڈالے، لیکن ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکا، میں اسی حالت میں دو ماہ یعنی مارچ ۱۷۷۵ء تک مبتلا رہا، اس دور میں میری کیفیات ایسی تھیں جس کے ڈانڈے جنون سے ملے ہوئے تھے، لیکن اس کے بعد ہی میرے دماغ میں ایک جدید خیال پیدا ہوا، جس نے میرے تہیجات غم و کربت میں سکون پیدا کرنا شروع کیا"

جیمس لکھتا ہے کہ یہ شاعری کا خیال تھا جو اس حیات فرسا مرض کے زمانہ میں پیدا ہوا، الفیری کہتا ہے کہ اس خیال میں جو میری فلاح مضمر تھی وہ یہ تھی کہ میں بتدریج آزار محبت سے رہا ہونے لگا، اور میری قوت مدرکہ میں جو ایک عرصہ سے خفتہ و معطل تھی بیداری کے آثار ظاہر ہونے لگے میں نے اب اسکی ضرورت نہ سمجھی کہ میں خود کو کرسی سے بندھا ہوا رکھوں، تاکہ اپنا گھر چھوڑ کر اپنے محبوبہ خاتون کے مکان میں نہ جا سکوں، تمام خیالی طریقوں میں میں نے جو اختیار کیا زیادہ دلچسپ یہ تھا کہ عید کے آخر میں، بھیس بدل کر میں تھیٹر میں چلا آیا، اپالو کی طرح بیٹھ کر ایک ستار پر میں اپنے ہی بنائے ہوئے اشعار گانے لگا، اس قسم کی بے حیائی میرے چال چلن کے بالکل مخالف تھی، لیکن میری طرف سے اسکا عذر ہو سکتا ہے، کہ یہ تمام مناظر میری اس ظالمانہ شوریدگی عشق کی مزاحمت کے لئے تھے، میں نے محسوس کیا کہ غرض عشق اور میرے درمیان ایک ناقابل طے حد بندی قایم ہو جائے اور میں نے دیکھا کہ وہ قوی ترین "شرم" تھا جس کے روبرو مجھے بے نقاب ہونا چاہیئے۔

باڈوئن فرانس کا مشہور نفسیات داں گزرا ہے، ایڈن اور سیڈر پال نے اس کی عالمانہ کتاب "تصریح نفسیات" کا فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ کیا، مصنف "تخیل ارتقائے شعور" کے زیر عنوان مفصلہ ذیل نفسیاتی تحقیق پیش کرتا ہے:-

ایک عرصہ بعد تک یہ مسئلہ متداول تھا کہ شعور (Instinct) ناقابل تغیر ہے، اس کے بعد منطقی ترقی نے ثابت کیا کہ جب ایک ہی جنس سے دوسری جنسیں وجود میں آتی ہیں اور جب ہر جنس اپنی مخصوص حیات شاعرہ بھی رکھتی ہے، تو یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے، کہ "شعور" مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے، اسپالڈنگ نے اس مسئلہ کو اس زینہ تک پہونچایا کہ چند شعوریں زندگی کے ایک خاص مرحلہ پر رونما ہوتے ہیں، اگر اس دور میں اس شعور کو روک کر ظاہر نہ ہونے دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر وہ ظاہر نہ ہوگا، ایک حد تک اسپالڈنگ کا یہ خیال ولیم جیمس کے "اصول شعور" کی بنیاد تھا، جیمس اپنے قانون عارضیہ" (Laws of Transitoriness) کے

ماتحت لکھتا ہے، کہ بہتیری شعوری کیفیات حیات کے ایک خاص دور میں پختگی حاصل کرتی ہیں اور پھر فنا ہو جاتی ہیں، تھارنڈک اس خیال میں تعمیم پیدا کر کے کہتا ہے، کہ ہر ایک شعور اگر ماحول کی مزاحمت سے، وقت پر ظاہر نہ ہو سکے تو فنا ہو جائے گا۔ ولیم جیمس اپنی کتاب "مبادی نفسیات" میں انسانی شعور کی ایک فہرست دیتا ہے، اور انہیں "قانون عارضیہ" کے ماتحت رکھتا ہے، اگر ایک بچہ گھوڑے کی سواری، مچھلی کا شکار، اور بندوق کا استعمال اس وقت نہ سیکھے جب عموماً یہ شعور پیدا ہوتے ہیں تو پھر آئندہ زندگی میں ان فنون کا حصول، باوجود دستیابی موقعہ بھی دقت طلب ہوگا، اسی طرح زندگی کے ایک خاص دور میں مصوری و صنعت کا ذوق پیدا ہوتا ہے، بڑی حد تک موجودہ اصول تعلیم کی کامیابی، جنمیں بچوں کے فطری اذواق کا لحاظ رکھا گیا ہے، نفسیات کے اسی اصول کی مرہون منت ہے، جہاں ہم لوگ واقعات کی بنا پر اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ شعور کو دبا دیا جاتا ہے، وہاں نفسیاتی تحقیق اس عقیدہ کی بھی موئد ہے، کہ شعور دوسری شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

شعور جنسی (Sexual Instinct) کے متعلق فرائڈ اور جیمس کے خیالات یکساں ہیں، فرائڈ نے شعور جنسی کی بہتیری متغیر صورتیں پیش کی ہیں اسکا خیال ہے کہ جذبہ جنسیت چند "رجحانات ثانیہ" (Secondary Tendencies) کا ایک مجموعہ ہے، اور پھر ان رجحانات ثانیہ کو مفصلہ ذیل عنوان کے ماتحت رکھتا ہے:-

غلط کاری (Auto-Erotism)، تصابی (Homo-Sexuality) انکشاف ستر عورت یا عریانی (Exhibitionism) وغیرہ جب اصل رجحان دبا دیا جاتا ہے، تو وہ مشتق ہو کر کسی نہ کسی رجحان ثانیہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے، تغیر شعور کے مسئلہ میں نفسیات کے دو اصول ہیں، جنہیں "قانون تبعی" (Derivation) اور قانون تجید (Sublimation) کہتے ہیں۔ سابق الذکر اصلاح کا یہ مفہوم ہے کہ حیات شاعرہ کی مخصوص نوعیت جب اپنے نمود کا موقعہ نہیں پاتی، تو کسی نہ کسی صورت میں مشتق ہو کر ضرور نمو ہوتی ہے۔ شورش جنسیت کے مظاہر کا جب موقعہ نہیں ملا کرتا تو بورڈنگ ہاؤس اور زندان خانہ کے افعال قبیحہ کے دردناک شواہد ہمارے سامنے آموجود ہوتے ہیں، قانون تجید قانون تبعی کی ایک مزکی اور منظم صورت ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ بعض اوقات حیات شاعرہ کی مزاحمت ایک کامیاب اور فائدہ بخش صورت بھی پیدا کر دیتی ہے، جس کے محاسن کبھی اخلاقی، دماغی اور مذہبی رنگ میں ہمارے سامنے آتے ہیں، اسی کو یورپ ایک بہت بڑا ماہر نفسیات فرائڈ (Successful and beneficient derivation "ایک کامیاب اور مفید قانون تبعی") کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔

اگر بالڈون کے نفسیاتی اصطلاحات قانون تبعی، و قانون تجید حقائق سے متعلق ہیں، جس کے صحیح تسلیم کر لینے میں کوئی استبعاد عقلی نہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ فارسی کے تمام اکابر غزل گو سعدی، حافظ، خسرو، جامی، عرفی کی عشقیہ شاعری گویا شعور جنسیت، محبت عفیف، اور سیہ شوری شباب کا نتیجہ ہے، جو قانون تجید کے ماتحت شعر و سخن کی صورت میں ہمارے سامنے آئی، شیخ حزیں میرے نزدیک مشاہیر غزل گو میں کسی سے کم درجہ نہیں رکھتے، بلکہ بعض اعتبار سے اکثر ارباب کمال پر آپ کو تفوق ہے، جس کی تفصیل آپ کے خصوصیات کلام کے سلسلہ میں پیش کی جاوے گی۔

شعرائے متقدمین کا ذوق عشقیہ | جب عشق شعور جنسیت اور جوش شباب کا نتیجہ ہے، جس کی پیداوار عشقیہ شاعری ہے، تو یہ

بات ثابت ہوگئی کہ ایک اچھے اور کامیاب غزل گو کا عاشق ہونا بھی ناگزیر ہے، اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ اکابر غزل گو اور مشاہیر عشقیہ شاعری اپنے دور کے درد دل رکھنے والے عاشق تھے۔ جس کے تاریخی شواہد یا تو خود ان کی تصنیفات میں پائے جاتے ہیں، یا اوراق تاریخ میں تلاش کرنے سے نظر آتے ہیں۔

سعدی، حافظ، خسرو، جامی، عرفی فارسی شاعری کے ابوالآبار تھے، جنہوں نے سعدی کی گلستاں باب پنجم کا مطالعہ کیا ہے، انکی نظر سے شیخ سعدی کے واقعات عشقیہ بھی گذرے ہوں گے، فرماتے ہیں:—

"در عنفوان جوانی چنانکہ افتد و دانی، با شاہدے سرے و سرّے داشتم بحکم آنکہ حلقے داشت طیبب الادا، و خلقے کالبدر اذا ابدا"

دوسری حکایت میں پھر اپنے ایک دوسرے عشقیہ راز کی یوں پردہ دری فرماتے ہیں:—

"یاد دارم کہ در ایام جوانی گزر داشتم در کوئے و نظر بر روئے"

اس کے بعد کڑکڑاتی دھوپ میں کوئے جاناں میں پہونچنے کا تذکرہ فرماتے ہیں اور پھر یہیں تک نہیں بلکہ اپنی محبوبہ کے حسن بدیع اور جمال غریب کا یوں اظہار کرتے ہیں

"ناگاہ از ظلمت دہلیز خانہ روشنائی بتافت یعنی جمالیکہ زبان فصاحت از بیان صباحت او عاجز آید
چنانکہ در شب تارے صبح برآید آب حیات از ظلمات بدر آید"

آپکو محبوبہ کے ہاتھ سے پانی ملتا ہے، اس وقت آپ ایک سرشارانہ طریقہ سے قدح آب اور معشوق کے پسینہ کی تعریف کرتے ہیں:—

"قدحے برفن آب در دست گرفتہ و شکر دراں ریختہ و بعرق آمیختہ ندانم کہ بگلابش مطیب کردہ بود یا قطرہ
چنداز گل رویش دراں چکیدہ فی الجملہ شراب از دست نگارینش برگرفتم و بخوردم و عمر از سر گرفتم"

اس کے بعد فرماتے ہیں ہماری تشنگی، جس سے محبوبہ نے ایک پیالہ شربت دیکر مجھے آسودہ کرنا چاہا، دریاؤں کے پی جانے پر بھی بجھنے والی نہیں، یعنی یہ تشنگی، ہجر کی تشنگی ہے، جس سے آسودگی اسوقت میسر ہوگی جب لذت وصل میسر آجائے

ظماءٌ بقلبی لا یکاد یسیغہٗ　　　رشف الزلال ولو شربت بحوراً

خواجہ حافظ کی پرجوش عشقیہ ترانہ سنجی آپ کے دیوان کا مطالعہ کرنے والے کسی طرح فراموش نہیں کر سکتے، فرماتے ہیں:—

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا　　　بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

"ترک شیرازی" کہا صرف ترک کا تعمیمی لفظ نہیں لائے، لہذا شیرازی کی قید لگا کر اس شعر کو اپنے واقعہ زندگی کے ساتھ مخصوص کرلیا ہے، جو ایک تاریخی حقیقت رکھتا ہے۔

جناب خسرو دہلوی کا واقعہ عشق عہد غلامان کی عشقیہ داستانوں میں ایک ایسی شہرت رکھتا ہے، جسے تاریخ نے کبھی نظر انداز نہیں کیا، تاریخ فرشتہ کے بارھویں مقالہ میں یہ واقعہ موجود ہے، جس کے سلسلہ میں الفیری کی طرح جناب خسرو نے اپنی مغلوبیت عشقیہ اور مطعون خلایق

ہونے کا حسرت اندوز گلہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

زین دل خود کام کار من برسوائی کشید　　خسروا فرمان دل بردن ہمیں بار آورد

مولانا جامی نے سعدی، حافظ، خسرو وغیرہ کی طرح خود تو اپنے واقعات عشقیہ بیان نہیں کئے، اونھوں نے گلستاں کے جواب میں بوستاں تو لکھی اور گلستاں کی طرح اپنی کتاب کے پانچویں باب میں افسانہائے عشق بھی لکھے ہیں لیکن اپنی ذاتی زندگی کو پیش نہیں کیا اور نہ آپ کے واقعات عشقیہ تاریخ میں کہیں پائے جاتے ہیں، لیکن جب آپ کے دیوان کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو عقل سلیم یہ نتیجہ نکال لیتی ہے کہ آپ بھی آزار دل سے خالی نہ تھے، مولویت کی سنجیدہ زندگی نے سعدی، حافظ، اور خسرو کی طرح کلام میں شوخی نہیں پیدا ہونے دی، مگر آپ کا کلام رازِ محبت کو پردۂ کتمان میں نہ رکھ سکا، فرماتے ہیں:-

مشغولی عشق داد جامی　　از شغل جہاں فراغ مارا

ز عشق تو بہ نہ مقدور من بود جامی　　خدا چو بہر ہمیں کار آفرید مرا

عُرفی کا واقعہ محبت، نگار بابت ماہ دسمبر ۲۸ء میں لکھا جا چکا ہے۔

ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فارسی شاعری کا کمال غزل گوئی خود شعراء کے مبتلائے محبت ہونے کا نتیجہ تھا جو فرانس کے مشہور ماہر نفسیات باڈوئن کے قانون تجدید کے ماتحت ہے۔

متقدمین کی عشقیہ شاعری

شعرائے متقدمین میں بڑے بڑے باکمال گذرے، لیکن سب غزل گوئی میں وہ نزاکت تخئیل، کرشمۂ لطف، بیساختگی کلام اور حلاوت معنی نہ پیدا کر سکے، جو ان کے ذوقیہ صنف سخن میں پائی جاتی ہے۔

فردوسی اور نظامی، مثنوی میں تو بے مثل رہے، لیکن غزل گوئی میں وہ کچھ نظر نہیں آتے، اسی طرح خاقانی اور انوری قصاید میں تو تمام شعرائے فارس سے بڑھ گئے، لیکن عشقیہ شاعری کی خصوصیات سے انکا کلام معرا رہا، وہی قصیدہ کی سی دقیقہ سنجیاں ہیں اور شان و شکوہ والے الفاظ جن سے جذبات کی لطافت اور احساسات کی نزاکت قایم نہ رہ سکی، مولانا روم کی فلسفیانہ اور صوفیانہ شاعری نے مشرق سے گذر کر مغرب سے بھی خراج تحسین وصول کیا، آپکے دیوان میں عمدہ غزلیں بھی ہیں، لیکن صوفیانہ رنگ کا غلبہ ہے، اور فلسفیانہ نکتہ سنجیوں کا تسلط، اگر غزلیات کے اندر فلسفیانہ تخیلات، صوفیانہ نکتے، تاریخی روایات، اور مذہبی ارادتمندیاں ہوں تو انہیں دائرہ معارف کہہ لیجئے، نطق الہام سے تعبیر کر لیجئے، لیکن غزلیات کے نام سے نامزد کرنا "اتہام تعبیری" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، یاروں نے خواجہ حافظ کے کلام کو بھی مولانا رومی ہی کی طرح ایک نطق صوفیانہ سمجھ لیا، اسمیں شک نہیں کہ بعض مقامات میں خواجہ صاحب کے کلام کے اندر صوفیانہ ذوق بھی پایا جاتا ہے، لیکن آپ کے شارحین نے آپ کے ہر شعر کی تشریح میں ایسے دور از کار صوفیانہ تاویلات سے کام لیا ہے کہ غزل فلسفہ مابعد الطبیعہ کی طرح خشک رہ گیا ہے۔ حالانکہ خواجہ صاحب کے کلام کا اکثر حصہ اسادہ اور تاویلات سے مستغنی ہے، بشرطیکہ کمال غزلگوئی کی رعایت سے دیکھا جائے، جامی کے کلام کا ایک حصہ تو رومی کے طرز میں ہے جسکی وضاحت موازنہ میں کیگئی ہے، اور دوسرا حصہ سعدی، خسرو، حافظ اور عرفی کیطرح کمال غزلگوئی کی شان پیدا کر رہا ہے:-

رومی

پچنے کہ تا قیامت گل او بہار بادا
صنمے کہ بر جمالش دو جہاں نثار بادا
زبگاہ میر خوباں بہ شکار می خرامد
کہ بہ تیر غمزۂ او دل ما شکار بادا
بدو چشم من ز چشمش چہ پیامہاست ہر دم
کہ دو چشم از پیامش خوش و پر خمار بادا
در زاہدے شکستم بدعا نمود نفریں
کہ برو کہ روزگارت ہمہ بیقرار بادا
نہ قرار ماند نہ دل بدعائے او زیارے
کہ بخون ماست تشنہ کہ خدائش یار بادا
تن من بماہ ماند کہ ز عشق می گدازد
دل من چوں چنگ زہرہ کہ گستہ تار بادا
بگداز ماہ منگر بہ گستگی زہرہ
تو حلاوت غمش بیں کہ یکے ہزار بادا
چہ عروسیست در جاں کہ جہاں ز عکس رویش
چو دو دست نوعروساں تر و پر نگار بادا
بجذار جسم منگر کہ بپوسد و بریزد،
بجذار جاں نگر کو خوش و خوشگوار بادا
تن تیرہ ہمچو زاغے د جہاں تن زمستاں
کہ بر غم ایں دو ناخوش ابد اُبہار بادا
کہ قوام ایں دو ناخوش بچہار عنصر آمد
کہ قوام بندگانت بجز ایں چہار بادا

جامی

ترا اے نازنین ہر سوز دلہا صد سپہ بادا
بہر جا بگذری صد جان پاکت خاک رہ بادا
ہمی ترسم شود آزردہ آں تن ورنہ می گفتم
ترا ہر شب درون دیدۂ من جایگہ بادا
ز حکم عقل می بخشد فراغت عشق تو ما را
ہمیشہ عشق تو در کشور دل بادشہ بادا
سیہ رو خواندیم واں موجب سرخروئی شد
سر موئے اگر گویم خطا رویم سیہ بادا
طفیل دیگراں باشد کہ یابم لذت تیغت
ہمیشہ خوئی تو خونریزی بیگنہ ادا
کلہ کج کردہ می تازی سمند و خلق می گویند
خدا ہموارہ یار ایں سوار کج کلہ بادا؟
دل جامی کہ شد تبخانہ از مہر بتے چوں تو
نہ در روئے فکر مسجد نہ ہوائے خانقہ بادا،

جامی کے تمام اشعار کمال غزلگوئی کی ایک عمدہ مثال پیش کر رہے ہیں صرف آخر شعر جسمیں ذوق صوفیہ --ا--

عاشقانہ دونوں پایا جاتا ہے، حذف کر دیا جائے، تو غزل خسرو، عرفی، حافظ وغیرہ کی بہترین غزلوں سے ملجاتی ہے، مولانا رومی "بگداز ماہ منگر بہ گسستگی ز بہرہ" تک تو غزلگوئی کے اعلیٰ رنگ میں کہتے چلے آئے ہیں اس کے بعد فوراً ہی مثنوی کی سی خصوصیت آگئی ہے، کہ بطور نتیجہ، مواعظ و حکم کی طرف دماغ لوٹ گیا ہے، "چہ عروسیست در جان کہ جہاں ز عکس رویش" نے ہر چند سادگی بیان کو کھو دیا، دماغ ایک گہرے مسئلہ بدء خلق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، پھر بھی کلام اور حسن اور قابل داد ہے، "چو دو دست نو عروساں تر و پر نگار بادا" کی تمثیل نے پہلے مصرعہ کی وقت معنوی کا بدل کر کے بیان میں حلاوت پیدا کر دی ہے، اس کے بعد اخلاق و مواعظ کا گہرا اثر ہے جسے صنف غزلگوئی میں شامل کرنا ہی میرے نزدیک اصول کے خلاف ہے:-

رومی

داؤد گفت اے بادشا چوں بے نیازی تو زما
حکمت چہ بود آخر بگو در خلقت ہر دو سرا
حق گفتش اے مرد زماں گنجے بدم من در نہاں
جستم کہ تا پیدا شود آں گنج احسان و عطا
آئینہ کردم عیاں رویش دل و پشتش جہاں
پشتش بود بہتر ز رو گر تو ندانی روئے را
چوں کاہ جفت گل بود آئینہ کے مقبل بود
چوں کہ جدا کردی ز گل آئینہ گردد با صفا
شیرہ نہ گردد می اگر در خم نہ جوشد مدتی
خواہی کہ دل روشن شود اندک عمل باید ترا
بہر تواضع بر خرے بنشست عیسیٰ اے پسر
ورنہ سواری کے کند بر پشت خر باد صبا
اے روح اندر جستجو سر ساز ہمچوں آب جو
وے عقل بہر آں بقا دائم برو در راہ فنا
چنداں ہمی کن یاد حق کز خود فراموشت شود
تا محو در مدعو شوی بے ریب داعی و دعا

جامی

یا من بدا جمالک فی کل ما بدا
بادا ہزار جان مقدس ترا فدا
می نالم از جدائی تو دم بدم چو نے
ویں طرفہ ترکہ از تو نیم یک نفس جدا
عشقت وبس کہ در دو جہاں جلوہ می کند
گاہ از لباس شاہ و گہ از کسوت گدا
یک صوت بر دو گونہ ہمی آیدت بگوش
گاہے ندا ہمیش نام و گہ صدا
برخیز ساقیا بہ کرم جرعہ بریز
بر عاشقان غمزدہ زاں جام غمزدہ
زاں جام خاص کز خودیم چوں دہد خلاص
در دید شہود نماند بجز خدا
جامی رہ ہدیٰ بجز از غیر عشق نیست
گفتیم والسلام علیٰ تابع الہدیٰ

جامی کے یہاں خالص مولویانہ رنگ ہے، رومی کے یہاں صوفیانہ، حقیقۃً دونو کلام معیار غزلگوئی سے جدا واقع ہوئے ہیں، ہاں یہ بات البتہ ہے کہ غزل ہی کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے، جامی کے یہاں ایک نظمیہ حمد ہے رومی کے یہاں تصوف کے ایک خاص مسئلہ "تصفیہ قلب"

کے متعلق تسلسل مضامین ہے، ہمارے ملک کے فخر زماں ادیب علامہ شبلیؒ نے تسلسل مضامین کو مستحسن قرار دیا ہے، میرے ناقص خیال میں تسلسل کے لئے مثنویاں اور قصاید زیادہ موزوں ہیں، غزلیات میں ہر شعر کو مستقل بالذات، اور انفرادی طور پر معنی خیز ہونا چاہیئے، رومی کی غزل سے میں نے "چوں گر جدا کردی ز نگ آئینہ گردد با صفا" کے بعد سے چند اشعار حذف کر دیئے ہیں تاہم اس پوری غزل میں مسلسل پند و موعظت، اور صوفیانہ تخیل پایا جاتا ہے، پہلے خلقت کائنات کا سبب بتا گیا ہے، اس کے بعد "حقیقت دل" اور عالم مادی پر روشنی ڈالی گئی ہے، سابق الذکر کو آئینہ کا رخ اور ثانی الذکر کو پشت آئینہ کہا گیا، اس کے بعد "تصفیہ قلب" کے اسرار بتائے گئے ہیں اور مثال دی گئی ہے کہ جس طرح ایک آئینہ کی پشت پر صورتوں کے انعکاس کے لئے مٹی لگا دی جائے، اور مٹی میں خس و خاشاک بھی شامل ہو تو آئینہ صاف و شفاف نہو گا، بلکہ اس کے رخ پر برا اثر پڑیگا، اسی طرح جسم جبتک مادیت اور نفسانیت کی آلودگیوں سے ملوث رہیگا، صرف یہی نہیں کہ آئینۂ دل پر انعکاس حقایق بلکہ دل خود اپنے اصل کمال پر قایم نہ رہیگا۔ اس کے بعد مجاہدہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کے لئے "شیرہ نہ گردد می اگر در خم نہ جوشد مدتی" کی ایک نفیس تمثیل دی گئی ہے، پند و موعظت کرتے کرتے مولانا خود جذبہ میں آگئے، اور اب بے اختیارانہ "چنداں ہمی کن یاد حق کز خود فراموشت شود" اور پھر اپنے رنگ فنا فی اللہ اور محویت الٰہی میں "تا محو در مدعو شوی" کہہ بیٹھے اور یہیں تک بس نہیں کیا "بے ریب داعی و دعا" کا بھی فقرہ بڑھا دیا جو محویت الٰہیہ کی آخری منزل ہے، یعنی جہاں طالب کو نہ اپنی فکر رہتی ہے، نہ دعا کا احساس جسے اصطلاح تصوف میں فنا الفنا کہتے ہیں۔

حافظ اور خسرو غزلیات کے میدان میں اپنی آپ نظیر ہیں، اس میں شک نہیں کہ انکی غزلیں عشقیہ شاعری کے حدود سے متجاوز بھی ہیں چنانچہ خواجہ حافظ کی تمام غزلیات پر ایک سرسری نظر ڈال کر انہیں تین عنوان کے ماتحت رکھ سکتے ہیں، رندانہ خمریات، عشقیہ، صوفیانہ اسی طرح جناب خسرو کے کلام میں مواعظ و حکم اور تصوف کا رنگ بھی ہے لیکن کم، آپکی غزلیں گویا عشقیات کی شرح ہیں، حافظ کی غزلیات کا اکثر حصہ عشقیہ شاعری کی بہترین مثالیں پیش کرتا ہے۔ بیتابی خیال، جوش کلام اور روانی بیان میں غزلیات کے اندر حافظ کا کوئی ہمسر نہیں، اردو میں مرزا غالب اور مومن خاں کے کلام میں البتہ یہ پرتو موجود ہے۔

جناب خسرو کی اکثر غزلیں نہایت سلیس، سادہ اور پاکیزہ ہیں، ہر چند آپ کے کلام میں حافظ کی سی ولولہ انگیزی نہیں پائی جاتی، لیکن جہاں آپ رموز عشقیہ بیان کرتے ہیں، وہاں روزمرہ کے واقعات کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، کوئی معنوی دقیقہ سنجی، لفظی نزاکت یا نظری و فکری باریکی نہیں پائی جاتی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپکی غزلیں ادھر زبان سے ادا ہوئیں ادھر قلب کیفیات سے لذت آشنا ہوا۔

خواجہ حافظ کا صوفیانہ طرز

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست — سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست
سرم بہ دنیا و عقبےٰ فرو نمی آید — تبارک اللہ ازیں فتنہا کہ در سر ماست
در اندرون من خستہ دل ندانم کیست — کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست
دلم ز پردہ برون شد کجائی اے مطرب — بنال ہاں کہ ازیں پردہ کار ما بنواست

مرا بہ کار جہاں ہرگز التفات نبود　　رُخ تو در نظر من چنیں خوشش آراست
نخفتہ ام بہ خیالے کہ می پزم شبہا　　خمار صد شبہ دارم شراب خانہ کجاست
چنیں کہ صومعہ آلودہ شد بہ خون دلم،　　گرم بہ بادہ بشوئید حق بدست شماست
ازاں بدیر مغانم عزیز می دارند　　کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دل ماست
چہ ساز بود کہ بنواخت مطرب عشاق　　کہ رفت عمر و ہنوزم دماغ پر ز صدا است
خمار عشق تو دوشب در اندرونم بود،　　کجاست وقت عبادت چہ وقت جائے دعاست
ندائے عشق تو دوشم در اندرون دادند　　فضائے سینہ حافظ ہنوز پر ز صدا است

یہ اسلوب بیان حافظ کی غزلیات میں بہتیرے مقامات کے اندر موجود ہے، "رخ تو در نظر من چنیں خوشش آراست" کے تخیل سے جو وحدۃ الوجود کی ایک عمدہ مثال ہے، اور پھر "کار جہاں" سے بے التفاتی کے اظہار پر کلام میں رومی کے خیالات کی روح آگئی ہے۔ "آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دل ماست"، "اشد حبًا للّٰہ" کی ترجمانی ہے۔

رندانہ شاعری کے متعلق بھی آپ کا کلام کثیر تعداد میں پایا جاتا ہے، فرماتے ہیں:۔

روزگاریست کہ سودائے ابتاں دین من است　　غم ایں کار نشاط دل غمگین من است

اور پھر جہاں مے اور میکشی کا تذکرہ ہے، وہاں نہ پوچھئے کس قدر صاف گوئی اور بیباکی سے آپ اپنے جذبات کا اظہار کر گئے ہیں:۔

اساس توبہ کہ در محکمی چوں سنگ نمود　　ببیں کہ جام زجاجی چگونہ اش بشکست

عشقیہ شاعری کے تو گویا آپ بادشاہ تھے، خسرو دہلوی کا کلام بھی سراپا افسانۂ عشق ہے، حافظ اور خسرو میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ حافظ کے یہاں ولولۂ شوق اور دفور تمنا پایا جاتا ہے، خسرو کا کلام ایک عاشق ناکام کا افسانۂ محبت معلوم ہوتا ہے، خسرو اور حافظ کا یہ ایک ایسا ناقابل رد امتیاز ہے جسے ہر سخن فہم ان کے دواوین کا مطالعہ کرنے کے بعد سمجھ لیگا۔

خمریات یا رندانہ کلام کے متعلق آپ کی ایک بہترین غزل یہ ہے:۔

رندانہ کلام

زلف آشفتہ و خوی کردہ و خنداں لب و مست　　پیرہن چاک و غزل خواں و صراحی در دست
نرگسش عربدہ جوی و لبش افسوس کناں　　نیم شب مست بہ بالین من آمد بنشست
سر فرا گوش من آورد بہ آواز حزیں　　گفت کاے عاشق شوریدہ من خوابت ہست
عاشقے را کہ چنیں بادہ شبگیر دہند　　کافر عشق بود گر نبود بادہ پرست
برو اے زاہد و بر دردکشاں خردہ مگیر　　کہ ندادند جز ایں تحفہ بما روز الست
آنچہ او ریخت بہ پیمانۂ ما نوشیدیم　　اگر از خمر بہشت است و گر از بادہ مست

خندہ جام می و زلف گرہ گیر نگار   اے بسا توبہ کہ چوں توبہ حافظ بشکست

ارادتمند حضرات نے اس کی بھی صوفیانہ تاویلیں کرنی چاہیں نہیں معلوم نگار کی سیہ مستیاں جو دکھائی گئی ہیں وہ تصوف کے حسن ازلی یا بہ الفاظ دیگر کردگار عالم پر کیونکر منطبق ہو سکتی ہیں، مست حافظ تو جنون شباب اور روح نشاط کا ایک ابدی پیام دے گئے، لیکن ارباب ارادت کی چابکدستیوں نے اس کی تاویل کر کے حافظ کو بھی ارباب ظواہر سے ایک نہایت شوخ اور بے باک صوفی کا لقب دلا دیا حالانکہ اسے نہ ذوق تصوف سے تعبیر کر سکتے ہیں، نہ اس میں حافظ کی شوخی کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ سیدھی بات ہے، جو معنی ظاہر الفاظ سے پیدا ہوتے ہیں وہی خواجہ صاحب کا مقصود تھا۔ اور اسی نشہ میں انہوں نے لکھا بھی ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ حقیقیات کی لذت آگینیوں کے بجائے تصورات کی نشاط انگیزیوں سے سرشار ہوں۔

عشقیہ طرز عشقیہ شاعری کے متعلق آپ کی وہ غزل نہایت اثر آفریں ہے، جس کے دو اشعار یہ ہیں:۔

رسم عاشق کشی و شیوۂ شہر آشوبی   جامہ بود کہ بر قامت او دوختہ بود

کفر زلفش رہ دیں می زد و آں سنگین دل   در رہش مشعلہ از چہرہ بر افروختہ بود

عرفی کی غزلیات میں دیر و حرم کے افسانوں کی تکرار اسی طرح پائی جاتی ہے، جس طرح شراب و صراحی، خرقہ و مصلا فروشی کے مضامین خواجہ حافظ کے کلام میں تعمیمی حیثیت رکھتے ہیں، خواجہ سلمان ساوجی جس طرح قصیدہ میں ایک نازک خیال، لطیف البیان اور سلیس گو شاعر گذرے ہیں غزلیات میں بھی آپ کا کمال کم نہیں نظر آتا ہے آپ کی غزلوں میں روانی اور غدوبت بکثرت پائی جاتی ہے، فرماتے ہیں:۔

شبہائے فراقت را آخر سحرے باشد   ویں نالۂ شبہا را روزے اثرے باشد

از دیدہ اگر آبے خواہیم بصد گریہ   آبے ندہد مارا کان بے جگرے باشد

درد فراق کی اچھی تصریح کی ہے، اور پھر تسکین قلب کے لئے مناظر فطرت سے استدلال بھی نہایت عمدہ ہے، ہر شب کے بعد سحر کا ملازم ناگزیر ہے، دوسرے شعر میں گویا عضویات اور نفسیات کا عام مسئلہ پیش کر دیا ہے کہ جگر کی درستگی پر جذبات کے تہیج کا مدار ہے، جب جگر ہی ندارد ہے، تو دیدۂ پر حسرت سے تمنائے اشک ریزی کے پورے ہونے کی گنجائش ہی کہاں، اس کے بعد ایک نہایت ہی اثر آفریں خیال پیش کرتے ہیں:۔

تنہا نہ منم خاکت کز خاک سر کویت   ہر گرد کہ برخیزد صاحب نظرے باشد

یہ تخیل خیام کے کلام کی خصوصیت ہے، وہ ہی اپنی رباعیوں میں بار بار یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ صراحی کا جو دستہ ہے، وہ شاید کسی شاعر کی خاک کا بنا ہوا ہے، جو اپنا ہاتھ محبوب کے گردن نازک میں آویزاں رکھا کرتا تھا، جام کو جگہ عاشق کہا ہے، حزیں کا ایک شعر بھی اس تخیل کی انتہائی پرواز کا نتیجہ ہے۔ فرماتے ہیں:۔

در میکدہ خاکم را پیمانہ کنی یارب   شاید دل حسرت کش لب را بہ لبے دارد

کلام حزیں کے وہ ہیجان پیدا کرنے والے تخیلات جنہوں نے مجھے ان سطور کے لکھنے پر آمادہ کیا ہے، ان میں ممدوح کا یہ ایک شعر بھی ہے۔
ایک ناکام محبت جس طرح مرنے کے بعد "پیمانۂ میکدہ" بننے کی دعائیں کر رہا ہے، کیفیت سے خالی نہیں، اور وہ صرف اتنی سی امید پر کہ زندگی میں محبوب کے لب سے لب نہ مل سکا، میری خاک کا جب کاسہ بنایا جائیگا تو اس میں میرے لب کے اجزا بھی ضرور شامل ہوں گے، شاید اس طور سے "دل حسرت کش" کو پیالۂ شراب بنکر معشوق کے لب سے مس ہو جانے کا شرف حاصل ہو جائے، جذبات کا طوفان اور شوق کی جو وسعت اس ایک شعر میں پائی جاتی ہے، متعدد سطور میں نہیں پیدا ہو سکتی، اور لطف یہ کہ بیان میں سلاست، اور خیال میں روانی بھی ہے۔

ماخذ شیخ علی حزیں کی شاعری اور کمالات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے حالات زندگی بھی بیان کر دئے جائیں، خوش قسمتی سے شیخ نے خود ہی اپنے حالات زندگی جمع کر دیئے ہیں جو انکی کلیات کے ابتدائی حصہ میں بصورت "تذکرہ" پائے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ جو نا قات خود شیخ نے لکھے ہیں ان کے لئے کسی دوسرے تذکرہ سے مدد لینا کوئی کار آمد شئے نہیں، آپ نے یہ تذکرہ ۱۱۵۴ھ میں لکھا بقیہ حالات کی فراہمی اور مضمون کی ترتیب میں مینے جن کتابوں سے مدد لی ہے، اسکی تفصیل تمہ میں کر دی گئی ہے۔

نام و نسب اور بعض خاندانی حالات شیخ کا اصل نام محمد تھا "علی" کہکر لوگ پکارا کرتے تھے، لہذا ہندوستان میں محمد علی کے نام سے مشہور ہو گئے، اگر شیخ کا یہ تذکرہ نہ ہوتا، تو متاخرین میں آپ کے اصل نام کے متعلق بھی اختلاف ہوتا، شیخ نے خود ہی اس کا فیصلہ کر دیا ہے، و انا المسمیٰ بواھب المواھب محمد المدعو بعلی بن ابی طالب

شیخ نے پندرہ پشت اپنے اجداد کے اسماء درج کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:-
ابی طالب بن عبداللہ، بن اسمٰعیل، بن اسحٰق، بن نور الدین محمد بن شہاب الدین علی، بن علی بن یعقوب بن عبد الواحد بن شمس الدین محمد بن احمد بن محمد بن جمال الدین علی بن شیخ الاجل قدوۃ العارفین تاج الدین ابراہیم المعروف بہ زاہد الجیلانی قدس سرہٗ۔

اپنے اجداد میں سے بزرگوں کا مختصر تذکرہ بھی لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ شیخ علی بن عطاء اللہ اپنے زمانہ کے ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں۔ یہاں تک کہ گیلان کا بادشاہ خان احمد خاں آپ کی نہایت عزت کرتا اور بعض اوقات علمی استفادہ بھی کرتا، دار السلطنت قزوین میں، شیخ جلیل بہاؤ الدین محمد عاملی (جن کی کشکول کا ایک نہایت عمدہ فارسی قلمی نسخہ جو عربی کا ترجمہ ہے، خاکسار کے پاس بھی ہے) کے ساتھ آپ کی گہری محبت تھی، چنانچہ شیخ علی بن عطاء اللہ نے حدیث معراج کی شرح میں جو کتاب لکھی ہے، اس کے مقالہ افتتاحیہ میں شیخ بہاؤ الدین محمد عاملی کا بھی تذکرہ کیا ہے، اس کے علاوہ آپ کی چند تصنیفات ہیں، جن میں کلیات قانون بو علی سینا کی فارسی شرح ہے، جو آپ نے خان احمد خاں کی فرمایش سے لکھی، اثبات واجب الوجود کے متعلق ایک رسالہ لکھا جس سے آپ کا معیار دانش متعین کیا جا سکتا ہے، آپ کا ایک رسالہ حل شبہ جذر اصم "کے متعلق بھی ہے، اور مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ان دونوں رسائل کا قلمی نسخہ شیخ علی حزیں نے اپنے والد کے کتبخانہ میں دیکھا تھا، ان کے علاوہ فلسفہ کے متعلق بھی آپ کی تصنیفات پائی جاتی تھیں جن میں فصوص فارابی پر ایک مبسوط حاشیہ ہے، آپ نے امیر فخر الدین اسماکی استرآبادی کے حلقہ درس میں تکمیل علوم کی، شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے تھے، "وحدت" تخلص تھا، آپکے کمال کے متعلق خود شیخ حزیں کی رائے ہے:-

سخنان عاشقانہ اش در کیفیت و حسن بلاغت بے نظیر افتادہ

دو ہزار بیت کا ایک دیوان مرتب کیا تھا، جس میں یہ غزلیں بھی ہیں:-

خوب است محبت اثرے داشتہ باشد　　معشوق ز عاشق خبرے داشتہ باشد

دل رخصت بہ آتشکدۂ عشق و نیامد　　می آمد اگر بال و پرے داشتہ باشد

مردیم ز بس ثابت و سیارہ شمردیم　　آیا شب ہجران سحرے داشتہ باشد

آپ کے صرف ایک صاحبزادے ہوئے جنکا نام عبد اللہ تھا، یہ ایک متقی اور گوشہ گیر شخص تھے، جو موروثی جائداد تھی اس میں سے قلیل حصہ پر قناعت کرتے، اور بقیہ محتاجوں اور دوستوں میں تقسیم کر دیتے تھے، شیخ عبد اللہ کے تین بیٹے ہوئے، عطاء اللہ، ابو طالب و ابراہیم، عطاء اللہ فقہ اور حدیث میں اپنے ملک کے علامہ تھے، زہد و ریاضت بھی اعلیٰ درجہ پر تھی آپ نے وسط عمر میں انتقال کیا، سب سے چھوٹے صاحبزادہ شیخ ابراہیم ایک ذہین اور بلند حوصلہ شخص تھے، انہوں نے علوم متداولہ حاصل کئے، اور اپنے زمانہ کے ایک بڑے شخص ہوئے، آپ کو خوشنویسی میں بھی کمال تھا، چنانچہ سات خط لکھنا جانتے تھے، شیخ حزیں فرماتے ہیں، ایک قرآن مجید مترجم لکھ کر میرے والد کی خدمت میں بمقام اصفہان بھیجا تھا، اصفہان کے خوشنویس پاکیزگی خط پر تعجب کرتے تھے، آپ کو انشاپردازی میں بھی مہارت تھی، ذوق شعر گوئی بھی رکھتے تھے، آپکی رباعی ہے:-

بادہ خون جگر ماست ز مینا مطلب　　گوہر از چشم تر ماست ز دریا مطلب

پئے لیلیٰ نتواں گشت چو مجنوں در دشت　　آنچہ در سینہ تواں یافت بصحرا مطلب

شیخ نے جس والہانہ ارادت، اور پرستارانہ جوش میں اپنے قابل فخر والد کے کمالات کا تذکرہ کیا ہے، انہیں دیکھنے کے بعد کم از کم اتنا سبق ضرور ملتا ہے، کہ ایک صالح اور مطیع اولاد کو اپنے بزرگوں کے ساتھ کیسے تعلقات ہوتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ جذبۂ محبت میں شیخ کے کلام سے ایک حد تک مبالغہ کی بو آتی ہے، لیکن یہ صرف شیخ کے جذبات کے متعلق کہہ سکتے ہیں، اپنے والد کے حالات زندگی جو انہوں نے بیان کئے ہیں، ان کا تاریخی پہلو نہایت مستند ہے، جس سے ہر ذی شعور انسان کو واقعۃً شیخ ابو طالب کے کمالات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

شیخ ابو طالب بیس برس کی عمر میں جب ایک حد تک تحصیل علوم کر چکے تو عراق کے فاضلوں کی علمی مجالس میں شرکت کرنے کے لئے فاضل ملا حسن شیخ الاسلام گیلانی کی خدمت میں بمقام اصفہان تشریف لائے، استاد العلماء آقا حسن خوانساری کے حلقہ درس میں استفادہ شروع کیا اور مولانا محمد رفیع کی خدمت میں جو رفیعائے یزدی کے نام سے مشہور ہیں، فنون ریاضیہ کی تکمیل کی، مطالعہ و مباحثہ میں ایسا شغف تھا کہ بہت سے طلبہ آپکی تربیت سے اعلیٰ درجہ کے عالم ہو گئے، آپ کے کتب خانہ میں پانچ ہزار جلدوں سے زیادہ کتابیں تھیں، جن میں کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو شروع سے آخر تک آپ کے زیر تصحیح نہ آئی ہو اور اکثر کتابوں پر خود آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا حاشیہ تھا، انمیں ستر جلدیں ایسی تھیں جن کی نقل کتابت خود ابو طالب نے کی تھی، ان میں تفسیر بیضاوی، قاموس اللغۃ، شرح لمعہ اور حدیث کی کتابیں تھیں بہت اچھے خوشنویس تھے، شیخ کہتے ہیں کہ والد فرماتے تھے کہ جب میں اصفہان میں آیا، تو میرے والد اس خیال سے کہ کہیں میں اصفہان ہی میں بود و باش نہ اختیار کر لوں، خاص خاص ضروریات سے زیادہ مصارف روانہ نہیں کرتے تھے، وہ بھی سال میں کئی مرتبہ کر کے بھیجتے تھے، لہذا کتابوں کے خریدنے کی استطاعت نہ تھی، اس لئے

میں کتابوں کی نقل کر لیا کرتا تھا، جب شیخ کے دادا نے انتقال کیا، تو ان کے والد نے اصفہان ہی میں مکان بنا لیا، شام کی راہ سے حجاز کا سفر کیا، اور طواف بیت اللہ سے فارغ ہو کر بغداد ہوتے ہوئے اصفہان میں چلے آئے، حاجی عنایت اللہ اصفہانی انہیں بہت دوست رکھتے تھے انہوں نے اپنی لڑکی بیاہ دی، ابو طالب کے چار بیٹے ہوئے جنہیں سب سے بڑے شیخ علی حزیں ہیں، ایک نے بچپن میں انتقال کیا، دو عالم جوانی میں گذر گئے، موت سے سات سال قبل خلوت گزینی کی طرف طبیعت مائل ہوئی، علمی مناظرہ اور درس و تدریس ترک کر دیا حتیٰ کہ گھر کے اسباب معاش کی فکر سے بھی سبکدوش ہو گئے، بعض اوقات کتابوں کا مطالعہ کرتے، اور اکثر رات کو عبادت کرتے اور متحیر رہتے، یہاں تک کہ سنہ ۱۱۲۷ھ میں وفات پائی، مرتے وقت شیخ نے وصیت کی جسے انہیں کے الفاظ میں لکھ دینا مناسب ہے، فرماتے ہیں:-

چنانکہ مرا خوشنود داشتی، خدائے از تو خوشنود باد، وصیت من بتو انیست کہ ہر چند اوضاع دنیا را بر وفق مرام نہ بینی در زمانہ ناسازگار افتد باید کہ بعزلت رضا دہی، و تبعیت دو نبالہ روی اختیار نکنی، چہ عمر قلیل قابل آں نیست،

شیخ اس وقت تقریباً چوبیس سال کے تھے، بزرگ باپ کی وفات کا مرثیہ کہا:-

سپہر از عمر گشت اے صاف حقیقت بے صفا گشتہ — نمی ماند بسر کیفیتے مینائے خالی را
کشیدی تا ز من دست نوازش اے چمن پیرا — مثل چوں بید مجنوں گشتہ ام آشفتہ حالی را
تو در پیرانہ سر رفتی و من ہم در غمت پیرم — بحسرت می کنم ہر لحظہ یاد خورد سالی را
ہناں اے عرش رفعت تا ندیدم در دل خاکت — ندانستم کہ پوشد خاک سافل کوہ عالی را

باپ بیٹے کی گہری محبت اور باہمی خوشنودی کی حقیقت اس واقعہ سے اور بھی واضح ہوتی ہے، کہ ایک مرتبہ شیخ علی حزیں شیراز میں تھے، باپ نے عرصہ سے دیکھا نہ تھا، ایک محبت آمیز خط لکھ کر بلایا جس کے عنوان میں یہ رباعی بھی لکھی تھی:-

در دل ز فراق خستگیہا دارم — در کار ز چرخ بستگیہا دارم
با اینہمہ غم تو نیز پیمان وفا — مشکن کہ جز این شکستگیہا دارم

یہ ایک رباعی ہے، یا جادو کوئی اس دل سے پوچھے جسے قدرت نے گیارہ ہی سال کی عمر میں ایک بزرگ سیرت باپ سے ہمیشہ کیلئے جدا کر دیا ہو[1]، شیخ کے واقعہ زندگی سے یہاں ایک ایسی مماثلت پائی جاتی ہے، کہ بے اختیارانہ دل بھر آتا ہے، رباعی نے حزیں پر بیحد اثر کیا اور وہ باپ کی ملاقات کو فی الفور روانہ ہوئے

ولادت و وطن

شیخ علی حزیں کی ولادت دوشنبہ کے دن بتاریخ ۲۷ ربیع الاول سنہ ۱۱۰۳ھ بمقام اصفہان واقع ہوئی، اسی مناسبت سے آپ "اصفہانی" مشہور ہو گئے، ورنہ شہاب الدین علی کے قبل آپ کے اجداد کا مولد و مسکن شہر استا تھا، شیخ شہاب الدین نے اسے چھوڑ کر لاہجان میں اقامت اختیار کی، لاہجان، گیلان (فارس) کے شہروں میں سے ایک بہت ہی عمدہ شہر ہے،

[1] معین الدین بن عبد الغنی نوکاری (ضلع پٹنہ) اعلی اللہ درجاتہ فی الآخرہ

اس کے بعد سے لاہجان آپ کے اجداد کا مولد و مسکن ہو گیا، تذکرہ کے آخر میں شیخ نے خود کو لاہجان ہی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن والد نے اصفہان میں بود و باش اختیار کر لی تھی، اور خود شیخ موصوف وہیں پیدا ہوئے تھے، اس لئے اہل زمانہ نے آپ کو "اصفہانی" کہا اور "لاہجی" بھول گئے۔

تعلیم و تربیت

شیخ کا خاندان ایک علمی خاندان تھا، گھر میں فقہ و حدیث، فلسفہ و حکمت، شعر و ادب کا چرچا تھا، کتابیں تھیں، شیخ کی طبیعت عہد طفولیت ہی سے کسب علوم کی طرف راغب ہوئی، اور اس میں انہیں ایسی لذت ملی، کہ در بدر مارے مارے پھرے، عزیز و اقارب کو چھوڑا، ترک وطن کیا، انتہا یہ کہ تعلق ازدواجی کا خیال بھی ترک کر دیا، جبتک سر پر والد کا سایہ رہا، انہوں نے شادی کے لئے استمزاج کیا، پھر مجبور کیا، لیکن طلب علم کی لذت نے کچھ ایسا محو بنا دیا تھا کہ تاہل کی زندگی کو خیر باد کہا، خود فرماتے ہیں:۔

والدین خواستند کہ تاہل اختیار کنم در اں مبالغہ داشتند، و جمعے از اکفار و اعیان خواہش بہ نسبت نمودند

مرا بسبب اشتغال و شوق مفرط بہ علم رضا بہ آں نبود و آں را عایق فرصت و مانع می پنداشتم، و تجرد را بہ فراغ

و آزادگی انسب یافتہ، چنداں کہ جہد نمودند راضی نشدم،

چار سال کی عمر میں والد نے ملا شاہ محمد شیرازی سے الف با کی ابتدا کرائی، مولانا موصوف نے بسم اللہ کے بعد تین مرتبہ رب اشرح لی صدری الی آخر یفقھوا قولی کی تلقین کی، حزیں کو دو سال میں لکھنا پڑھنا آ گیا، اسی وقت سے شیخ کی طبیعت نوشت و خواند میں ایسی مشغول ہوئی کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا کام انہیں مرغوب ہی نہیں معلوم ہوتا تھا، اس زمانہ میں، انہوں نے فارسی زبان میں نظم و نثر کی بہتری کتابیں پڑھ ڈالیں، صرف نحو، اور فقہ کی کتابیں شروع کیں اور جلد ہی ختم کیں، منطق میں چند رسالے پڑھ ڈالے، منطق سے طبیعت کو کچھ ایسی مناسبت تھی کہ اس کا خاص شغف رکھنے لگے، آپ کے استاد کو آپ کے شوق اور تیزی ذہن پر تعجب آتا، وہ ہمیشہ دل بڑھاتے رہے، اسی زمانہ میں انہیں شعر و سخن کا بھی ذوق پیدا ہوا، کچھ کہنے لگے، استاد کو خبر ہوئی تو انہوں نے منع کیا، شیخ ابو طالب نے ترک شاعری میں مبالغہ کیا، لیکن شیخ فرماتے ہیں:۔

مرا صرف طبیعت یکبارہ ازاں ممکن نبود، چیزے کہ وارد خاطر می شد می نوشتم و پنہاں می داشتم۔

آٹھ برس کی عمر میں باپ نے علم تجوید (قرأۃ) کی تعلیم دلانا شروع کی، شیخ نے دو برس تک مولانا ملک حسین قاری سے اسکی تعلیم پائی، اور اس فن میں کئی رسالے پڑھے، شیخ کو حسن قرأۃ میں ایسا کمال ہوا، کہ لوگ اسے بہت پسند کرتے، اس کے بعد فاضل باپ نے لایق بیٹے کی تعلیم کی طرف خاص طور پر توجہ کی، اور شرح جامی، شرح نظام (شافیہ)، تہذیب، شرح ایساغوجی، و شرح شمسیہ، و شرح مطالع (منطق)، شرح ہدایہ، حکمۃ العین باحواشی، مختصر تلخیص، تمام مطول، مغنی اللبیب، جعفریہ، مختصر نافع، ارشاد، شرایع الاحکام (فقہ) و من لا یحضرہ الفقیہہ (حدیث) و معالم اصول اور چند دوسری کتابیں خود پڑھائیں۔

تخلص حزیں کا انتخاب

شیخ ابھی کم سن ہی تھے کہ ابو طالب اپنے بیٹے کو تربیت و ارشاد کی غرض سے مشہور بزرگ جناب شیخ خلیل اللہ طالقانی کی خدمت میں لے گئے، یہ سلسلہ تربیت تین سال تک جاری رہا، اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کے متعلق شیخ موصوف نے خاص توجہ سے ان کی تربیت شروع کی، شیخ خلیل اللہ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے، انہوں نے حزیں کو شعر گوئی سے منع نہیں کیا،

بلکہ بعض اوقات انکی کلام سنا کرتے، آپ ہی نے تخلص حزیں کا انتخاب کیا۔

عشق و محبت

شعرائے فارس کے واقعات زندگی ہیں ان کا فسانۂ عشق ایک عام واقعہ ہے، جیسے مقدمہ میں لکھا جا چکا ہے، اہل عقل سلیم یہ نتیجہ نکالتے ہیں، کہ ہر انسانی زندگی میں حسن و عشق کے کرامات کا ظہور بھی ایک ناگزیر مسئلہ ہے، شعراء و ادبار نے سخن سنجیوں میں اپنے دل کی بھڑاس نکالی، عام قلوب اکثر شاہدان لب بام کی عشوہ طراز نگاہوں کے گھائل ہو کر لطافت عشقیہ کھو بیٹھے، اور بعض سنجیدہ دماغ سیلاب کے عارضی جوش سے ڈگمگاتے تو ضرور ہیں، لیکن مذہب و معاشرت کے قیود نے شمع کی طرح سوزاں رکھا، نتیجہ یہ نکلا، کہ انکی شورش بھی کچھ زیادہ پائدار رہی اور انہیں لذت درد کا فیضان بھی عرصہ تک پہونچتا رہا، شیخ کو بھی عہد شباب سے دوچار ہونا تھا، چونکہ خاندانی تربیت، بزرگوں کی صحبت، علوم کی برکتیں تھیں، عشق لطیف صورتوں میں جلوہ گر ہوا، فرماتے ہیں:-

عندلیب دل شوریدہ حال بگلبانگ بلند ایں پردہ سرائیدن گرفت،

فاش می گویم و از گفتۂ خود دل شادم بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار چکنم حرف دگر یاد ندا د استادم

ایک رات دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک باغ میں گئے، مولانا علی کوساری اصفہانی ایک مشہور خطاط (خوشنویس) تھے، انہیں موسیقی کا بھی خاص ذوق تھا، آپ کی آواز حضرت داؤدؑ کی طرح ایک معجزانہ بیلور کھتی تھی، وہ بھی شریک جلسہ تھے، انہوں نے "نیم شبی" راگ چھیڑ کر یہ بیت پڑھنا شروع کیا:-

امشب بیا تا در چمن سازیم پر پیمانہ را تو شمع و گل او داغ کن من بلبل پروانہ را

حزیں کا دل ایک جذبۂ لطیف سے مانوس ہو چکا تھا، حسن محبوب کے تمام نقوش نظر کے سامنے آگئے، دل میں ٹیس شروع ہوئی، لذت درد نے قلب کو بیچین کرنا شروع کیا، شیخ کو ایسا حال آیا کہ خود فرماتے ہیں:-

ہزار بار کالبد عنصری را سلطان روح تہی ساختہ باشد۔

شیخ نے فتنۂ محبت کا ایک اور نہایت ہی عجیب واقعہ لکھا ہے، جسے خود انہوں نے دیکھا تھا، فرماتے ہیں ایک دن شیراز میں ایک مقام پر بیٹھا ہوا تھا، دیکھا کہ ایک آدمی سراپا برہنہ جا رہا ہے، اس کے دونوں ہاتھوں میں چھری تھی، پوری قوت سے یہ چھری وہ اپنے جسم پر مارتا تھا، بدن سے خون جاری تھا، اس کے سر، جسم، اور منھ پر بہتیرے گہرے زخم تھے، جب وہ چھری مار کر اپنے بدن کو زخمی کرتا، تو اس کے اوضاع سے معلوم ہوتا، کہ اسے خاص راحت و لذت ملتی ہے، منھ سے وہ کچھ نہیں کہتا تھا، اسکی حالت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس کا نام اسمٰعیل ہے کسی پر عاشق تھا اس نے انتقال کیا، اسے جب خبر ہوئی تو بیہوش ہو گیا، ہوش آیا تو مجنوں کی طرح کپڑے پھاڑ کر اپنی یہ حالت بنائی، کئی روز ہوئے کہ اسی حالت میں ہے، میں نے کہا اس کے ہاتھ سے لوگ چھری کیوں نہیں لے لیتے ہیں، لوگوں نے کہا کہ جب کئی آدمیوں نے ملکر اسے پکڑا، اور چھری چھین لینے کا ارادہ کیا تو پہلے اس نے عجز کیا، پھر اس کی ہیئت سے ایسا معلوم ہوا کہ، اگر چھری اس سے چھین لی گئی، تو فوراً اس کا دم نکل جائے گا، میں اسکے حالات کے تفحص میں رہنے لگا، تین دن کے بعد شہر کے باہر ایک چھری اس کے پہلو پر لگی کہ آنتیں کٹ گئیں اور وہ مر گیا، شیخ فرماتے ہیں:-

آنانکہ غمِ تو برگزیدند ہمہ — در کوچۂ عشق آرمیدند ہمہ
در معرکۂ دو کون فتح عشق است — با آنکہ سپاہ او شہیدند ہمہ

عرفی ایک ایسا مجسمہ محبت تھا کہ جس عشقیہ جادو بیانی سے حزیں جیسے نازک خیال اور کامل فن شاعری کو بھی استفادہ کرنا پڑا، یہ رباعی اس حقیقت کو واضح کردیتی ہے، ہرچند شیخ صاحب نے سہواً عرفی کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

بدیہہ گوئی

بدیہہ گوئی، کمال سخن سنجی، اور انتہائے جودت ذہن کی دلیل ہے، اکابر شعرائے فارس میں بدیہہ گوئی کی چند مثالیں پائی جاتی ہیں جن میں سعدی اور خسرو کے بھی کلام ہیں، سعدی نے گلستان میں اس کا تذکرہ بھی کردیا ہے، چنانچہ ایک مہ جبین کو جہاں ضرب زیدٌ عمرًا کان متعدی عمر پڑھتے دیکھا، وہاں عربی وفارسی میں فی البدیہہ اشعار کہہ ڈالے، پیکر حسن نے پوچھا کہ آپ کا دولت خانہ، بولے شیراز، سعدی کی کافی شہرت ہوچکی تھی، ”از سخنان سعدی چہ داری“ کا سوال ہوا، بھلا شیخ جیسے شخص وقت پر کیوں چوکتے، فوراً عربی میں یہ کہا:-

بلیت بنحوی یصول مغاضبًا — علیّ کزیدٍ فی مقابلۃ العمر
علی جرذیل لیس یرفع رأسہ — وھل یستقیم الرفع من عامل الجر

حسن تو بارگاہ قدرت کا عطیہ تھا، کچھ کمسنی، کچھ علم کا ابتدائی زینہ، عربی کا مجازی رنگ سمجھ میں نہ آیا، فرمائش ہوئی فارسی کلام سناؤ، سعدی پر نگاہ ناز تو کام کرہی چکی تھی، فوراً کہا:-

طبع ترا تا ہوس نحو کرد — صورت عقل از دل ما محو کرد،
اے دل عشاق بدام تو صید — ما بتو مشغول و تو با عمرو زید،

خسرو دہلوی سے جب سلطان محمد خاں شہید نے پوچھا کہ حسن کے ساتھ تمہاری محبت حقیقی ہے، یا ہوا پرستی کا نتیجہ ہے؟ امیر نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی:-

عشق آمد و شد چوں خونم اندر رگ و پوست — تا کرد مرا تہی و پُر کرد ز دوست
اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت — نامیست مرا برمن و باقی ہمہ اوست
(تاریخ فرشتہ)

ابوالقاسم مرزا، مرزا کامران کے اکلوتے بیٹے تھے، جلال الدین اکبر نے انہیں قلعہ گوالیار میں قید کردیا تھا، جب خان زماں خاں کی مہم پر جانے لگا، تو غریب ابوالقاسم کا وجود مصالح ملکی کے منافی جانکر قتل کا حکم دیا، جلاد گردن مارنے چلا، تو مرزا نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا،

فلک بہ کشتن من اینقدر شتاب مکن — چو خواہم از ستمت مرد اضطراب مکن

جس قدر دردانگیز احساس پیدا کرتا ہے، اور واقعات ماضیہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے، ایک شعور لطیف اچھی طرح محسوس کرلیتا ہے، کامران کی ناکامی، دنیا سے سفر، خاندان کا انتشار، اپنی قید کی بلا انگیزیاں، اکلوتے بیٹے نے سب کچھ دیکھیں، یہی کیا کم تھیں کہ غریب ابوالقاسم کو زندگی سے سبکدوش کردیں، ”چو خواہم از ستمت مرد“ میں یہی خیالات ادا کئے گئے ہیں (فرشتہ)

لیکن شیخ حزیں کی بدیہہ گوئی اسقدر زبردست قوت تخیل، اور حاضر دماغی کا پتہ بتاتی ہے کہ تعجب آتا ہے، ایک دن شیخ ابوطالب کی

مجلس میں ایک شخص نے ملا محتشم کاشی کا یہ شعر پڑھا،

اے قامت بلند قداں در کمند تو رعنائی آفریدۂ قد بلند تو

لوگوں نے بڑی تعریف کی، ابو طالب نے کہا، ملا محتشم کا دیوان میرے زیر مطالعہ رہا ہے، استاد سخن تھے، لیکن ان کا کلام بے نمک ہے۔ اور اسمیں اتنی حلاوت نہیں پائی جاتی کہ بے نمکی کی تلافی ہو جائے چنانچہ اسی شعر سے ظاہر ہے، شعر کا دوسرا مصرعہ درست ہے لیکن پہلا مصرعہ طبیعت سے مانوس نہیں ہوتا ہے، کیونکہ قامت کو کمند میں پھنسا ہوا نہیں کہتے، اگر لفظ قامت نہ ہوتا، اور صرف "اے کہ بلند قداں در کمند تو" ہوتا تو کلام پسندیدہ ہوتا، حاضرین مجلس نے تصدیق کی، اس کے بعد شیخ حزیں کیطرف متوجہ ہوئے، اور کہا میں جانتا ہوں کہ ابھی تک تم شعر گوئی سے باز نہیں آئے ہو اگر اس شعر پر شعر کہہ سکتے ہو تو کہو، شیخ نے فوراً ایک مطلع موزوں کر لیا جب دوبارہ باپ کی نظر پڑی، تو انہیں پتہ چلا کہ شیخ نے کچھ کہا، بولے اگر موزوں کر چکے ہو تو کہو، شرم نہ کرو شیخ حزیں نے پڑھا:۔

صید از حرم گشتہ خم جعد بلند تو فریاد از تطاول مشکین کمند تو

حاضرین مجلس لوٹ گئے، اور بیحد تعریف کی، وہ اسی حال میں تھے کہ شیخ نے دوسرا شعر پڑھا:۔

شد رشک طرۂ زاہدنت کوئے عاشقاں بنشیں کہ باد خوردۂ جانہا سپند تو

اسوقت شیخ ابو طالب بھی پھڑک اٹھے، اور تحسین کی، حزیں نے تیسرا شعر پڑھا:۔

مشکل شدست کار دل از عشق خوش دلم شاید رسد بہ خاطر مشکل پسند تو

اسی طرح تھوڑے تامل میں دوسرا بیت کہا، اور پوری غزل کہہ گئے، حاضرین مجلس نے کہا کہ اس طرز کی بدیہہ گوئی پر اب کوئی قدرت نہیں رکھتا، شیخ ابو طالب نے حزیں کو شعر گوئی کی اجازت دی، لیکن اسقدر کہ وقت ضایع نہو، اور اس غزل کہنے کے صلہ میں اپنا قلمدان عطا کیا۔

سفر ہندوستان

شیخ نے عمر کا بیشتر حصہ سفر ہی میں گزار دیا، فارس کے تمام مشہور بلاد کا سفر کیا، شیراز، لار، شوستر، اصفہان، لاہجان طہران، ماژندران، میں عرصہ تک سفر کرتے رہے، پھر ملتان کا سفر کیا، آخر میں ہندوستان آئے اور یہیں رہ گئے، آپ نے اپنے سفر ہند کے سلسلہ میں، عہد محمد شاہی اور واقعۂ نادر شاہ پر کافی طور سے روشنی ڈالی ہے، گویا اس عہد کی تاریخی حالات کے لئے تذکرہ حزیں ایک نہایت مستند اور معتبر کتاب ہے، لیکن اس سلسلہ میں آپ نے ہندوستان اور ارباب ہند پر سخت نکتہ چینیاں بھی کی ہیں ہندوستان کی خاصیت آب و ہوا کو برا بھلا کہا ہے، اور شاہنامہ فردوسی کے چند اشعار بھی دلیل میں لائے ہیں۔ کہ گشتاسپ نے جب ہندوستان پر فوج روانہ کی تو امیر لشکر سے تاکید کر دی، کہ فتح کرنے کے بعد جلد لوٹ آنا، ورنہ وہاں کی خاصیت آب و ہوا فوجیوں کو نکما بنا دے گی، لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ شیخ نے ہندوستان کی شکوہ پردازی میں جو لب و لہجہ اختیار کیا ہے، اسے پیش کر دوں، اس کے بعد آپ کے الزامات کی حقیقت پر غیر جانبدارانہ تنقید کر دوں، تاکہ ہندوستان کے مسلمان کم از کم اتنا تو سمجھ لیں کہ غیر ملکی مسلمان اپنے ملک کے کس قدر مداح ہوتے ہیں، اور یہ کہ غیر ملکی اور قومی اعتبار سے کیسی معاندانہ تنقیدیں کیا کرتے ہیں، اور اسوقت انہیں اسلامی اور مذہبی رواداری کا مطلق احساس نہیں ہوتا، کیا ہندوستان کے مسلمان ہنوز غیر ممالک (اسلامیہ) سے خیالی اتحاد، اور لفظی رشتہ جوڑتے رہیں گے، اور ہندوستان کو بائیکاٹ کرکے اسے

ایک محض "مرا بہ منزل جانان چہ امن و چہ عیش" سمجھکر ایسے برداشتہ خاطر ہاکرینگے کہ صرف "بربندید محملہا" کی آوازیں انہیں سنائی دیں، اور فرقہ وارانہ امتیازات اور مذہبی غلو ترک کرکے، ایک ملکی اور قومی (ہندوستانی) سوسائٹی کا تخیل قایم نہ کریں؟

ہندوستان اور اس کے باشندوں پر شیخ نے جس عصبیت کے رنگ الزامات عائد کئے ہیں، انکا مقتضا تو یہی تھا کہ ہر ہندوستانی مسلمان ہندوستان کو اپنا حقیقی نشیمن سمجھے، کیونکہ جنہیں وہ اپنا سمجھتا ہے، وہ انہیں غیر سمجھکر بری طرح ان پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں، اور جنہیں وہ غیر سمجھتے ہیں، وہ تاریخ، معاشرت، اور سب سے بڑھکر ضروریات زمانہ کے لحاظ سے ان کے نہایت عزیز ہیں۔

دسویں رمضان المبارک ۱۱۴۶ھ کو سفر ہند کی غرض سے شیخ کشتی میں سوار ہوئے جو سندھ کی طرف جا رہا تھا، جہاز ہی میں انگریزی جماعت کا کپتان جب شیخ کے ارادہ سے واقف ہوا تو اس نے آپ کو بہت منع کیا کہ ہندوستان نہ جائیں بلکہ اس نے سفر یورپ کی ترغیب دی، شیخ راضی نہوئے، پہلے آپ شہر تتہ میں اترے، ۱۱۴۶ھ سے ۱۱۵۴ھ تک (جب شیخ یہ تذکرہ لکھ رہے تھے) ہندوستان میں اقامت گزیں رہے، لیکن دلکو سکون نہ تھا فرماتے ہیں:۔

من این مدت اقامت را دریں مملکت از زندگانی محسوب نداشتہ، ہمانا آغاز رسیدن بہ سواحل ایں ملک انجام عمر و حیات بود، و دریں مدت ہشت سال از نجا تتہ تا بلدہ دہلی کہ معروف بہ شاہجہاں آباد است دیدہ ام وآنچہ از اوصاف، احوال و اوضاع ایں مملکت و ساکنانش شنیدہ و یافتہ بودم ہمہ حکایت نشنیدہ و بہ خاطر خطور مکردہ بود مشاہدہ و معلوم شد۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

بالجملہ دراں بلدہ از بے آبی و بد ہوائی و اوضاع زشت کہ ایں مملکت کہ اعرض حام است بے آرام [illegible]

ایک جگہ اور فرماتے ہیں:۔

و اصلا طبع را ملایمت و طاقت بر تحمل اوضاع و اطوار اشخاص ایں دیار نبود

ایک مقام پر اور غیظ و غضب میں لکھتے ہیں:۔

ناچار برخے از قبایح و فضایح احوال و اوصاف ایں دیار کہ و رت آثار شنعت اطوار نمایش خواہد گرفت

یہ خیالات ہیں جو اس سخت لب و لہجہ میں شیخ نے اپنے تذکرہ میں ہندوستان اور اہل ہندوستان کے متعلق ظاہر کئے ہیں، اب ذرا اس کی حقیقت پر غور کریں، ۱۱۰۳ھ میں شیخ کی ولادت ہوئی ۱۱۴۶ھ تک فارس، مازندران، عراق وغیرہ کا سفر کرتے رہے، الغرض ۴۳ برس کی عمر تک دنیا کی لذت سفر سے بہرہ اندوز ہوئے ۱۱۴۶ھ میں ہندوستان آئے ۱۱۸۰ھ بمقام بنارس انتقال کیا ظاہر ہے کہ ۳۴ سال تک ہندوستان نے مہمان رکھا، تقریباً عمر کا نصف حصہ یہیں گذرا، بہت ممکن ہے شیخ کے یہ خیالات تصنیف تذکرہ ہی کے وقت (۱۱۵۴ھ) تک ہوں بعد میں ان کے خیالات بدلے ہوں، یہ بھی دو حال سے خالی نہیں اگر آپ کے خیالات شروع سے آخر تک ہندوستان اور اس کے باشندوں کے متعلق ویسے ہی قایم رہے، تو پھر زندگی کا نصف حصہ ہند ہی میں گزار دینا چہ معنی دارد، جس ملک سے ایسی نفرت ہو اجس کے رہنے والوں کے اوضاع و اطوار آپکے نزدیک

اسقدر ناپسندیدہ ہوں، پھر انہیں کے ساتھ اتنی مدت تک بسر کر دینا حیرت انگیز امر ہے، (شیخ نے ہند سے سفر نہ کرنے کا سبب قلب بضاعت، بتایا ہے، لیکن یہ عذر قابل قبول نہیں) یقیناً بعض ایسی ہستیاں بھی ضرور ہوں گی، جو "دامن دل می کشد کہ جا اینجاست" کا مصداق ہوں، اگر یہ واقعہ ہے کہ ۱۱۵۴ھ کے بعد سے ہندوستان، اور اہل ہندوستان نے آپ کے دل و دماغ پر محبت و الفت کا اثر پیدا کرنا شروع کر دیا تھا، جس کے باعث ۱۱۸۰ھ تک یہیں رہ گئے تو شیخ پر ایک بڑا الزام یہ رہجاتا ہے، کہ پھر انہوں نے تبدیل خیال کا اظہار کیوں نہ کیا، اگر واقعۃً شیخ کی نفرت، اور کشیدگی شروع سے آخر تک یکساں قایم رہی تو ان کا ۳۴ سالہ استقرار ایک سخت بوالعجبی ہے، بہر حال ہم شیخ کے خیالات کو جو انہوں نے ۱۱۵۴ھ میں ظاہر کئے تھے ۱۱۸۰ھ تک یکساں تصور کرتے ہیں، اور اب غور کرتے ہیں کہ وہ کیا اسباب تھے، جن کی بنا پر شیخ نے ہند اور اہل ہند کو دنیا کے سامنے اس صورت میں پیش کیا ہے، میرے خیال میں اس کے مفصلہ ذیل اسباب تھے، لسانی انقلاب، سیاسی پیچیدگیاں، مذہبی اختلاف۔

لسانی انقلاب تاریخ شاہد ہے کہ اکابر شعرائے فارس ہندوستان میں آئے جو خود نہ آئے انہیں دعوتیں دی گئیں، چنانچہ سعدی، حافظ، انوری، جامی، عرفی، صائب سبھوں نے ہندوستان کی تعریفیں کیں، اور اس دریا کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے، جسے تاریخ فراموش نہیں کر سکتی، آخر شیخ حزیں کے ساتھ کیا خصوصیت تھی، اس کی بڑی وجہ ہندوستان کا وہ انقلاب تھا، جو زبان اور ذوق شعر پر پڑا تھا، ظاہر ہے کہ شیخ کے قیام ہند کے زمانہ میں فارسی شاعری کا وہ چرچہ نہ تھا جو جلال الدین محمد اکبر یا عہد بہمنیہ کے ابتدائی فرمانرواؤں کے دور میں تھا، عرفی کامیاب ہوئے، صائب بامراد گئے، حافظ کو تحایف پہونچے، مولانا جامی کو خواجہ محمود گاوان ہدیہ و تحفے بھیجتے رہے، سعدی کو محمد سلطان نے دعوتیں دیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ہندوستان میں شعر و ادب کے اندر فارسی ہی کا رواج تھا، ہر چند شیخ کے زمانہ میں بھی فارسی تصانیف پائی جاتی ہیں لیکن شعر و سخن کے لئے اردو مخصوص ہوگئی تھی، چنانچہ اس وقت اردو شاعری کے بڑے بڑے اساتذہ میر تقی، خواجہ میر درد، مرزا سودا وغیرہ کا زمانہ تھا، عام لوگوں کا رجحان اردو شاعری کی طرف تھا، الغرض اردو ملک کا ذوق عام بن چکی تھی، شیخ کے کمالات سے کسے انکار ہے، لیکن جب ملکی ذوق ہی میں انقلاب ہو چکا تھا تو پھر کمال کی قدر کون کرتا، شاعر تو یوں بھی نازک مزاج ہوتے ہیں ممکن ہے "دعوت شیراز" کا لطف نہ آیا ہو، اور یہی شیخ کے جھلانے کی وجہ ہوگئی ہو، اس شعر سے یہ خیال اور بھی راسخ ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں:۔

سواد ہند خاطر خواہ باشد بے کمالاں را نماید خانہ تاریک روشن چشم عریاں را

جناب آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں کہ شیخ جب دہلی میں آئے تو پوچھا ہندوستان میں کوئی بڑا شاعر بھی ہے، لوگوں نے سودا کا نام لیا، مرزا نے خود ملاقات کی، شیخ نے کلام سننے کی خواہش ظاہر کی، مرزا سودا نے کہا:۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

آزاد مرحوم نے دو روایتیں بیان کی ہیں، ایک سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ نے کہا "در پوچ گویاں ہند نیستی" دوسری روایت بتاتی ہے کہ شیخ نے پوچھا کہ "تڑپے" چہ معنی دارد لوگوں نے کہا کہ طپیدن کو "تڑپنا" کہتے ہیں، شیخ نے زانو پر ہاتھ مار کر کہا مرزا غضب کیا ایک مرغ قبلہ نما تھا اسے بھی نہ چھوڑا، ہندوستان کے متعلق شیخ کی تلخی طبیعت کا مطالعہ کرنے کے بعد نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں روایتیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں، ممکن ہے شیخ نے پہلے ہجو یہ خیال ہی ظاہر کیا ہو، پھر مہمان کی خاطر داری، اور مرزا جیسے معزز شخص کے خاطر سے تعریف بھی کر دی ہو،

سیاسی پیچیدگیاں

حزیں جب ہندوستان میں آئے محمد شاہ رنگیلے کا زمانہ تھا، یہ حکومت مغلیہ کا دورِ انحطاط تھا، بادشاہ سلامت ہی رنگ رلیاں مناتے تھے تو ملک کا انتظام کون کرتا، طرفہ یہ کہ نادر شاہ نے حملہ کر دیا، ایک غیر ملکی شخص کی آمد، اور فوراً ہی بیرونی حملہ، نادر شاہ حزیں کا ہموطن تھا، ارباب سیاست نے انہیں مشکوک نگاہوں سے دیکھا ہوگا جسکی ایک جھلک تذکرہ میں بھی پائی جاتی ہے، ایک جگہ اپنے سفر خراسان کا خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> وچوں بیقین می دانستم کہ اوضاع مقتضی ورود نادر شاہ بر ہندوستان است و بصوبہ کابل درآمدہ بود، اگر حرکت من میسر آمدے ناچار بہمان راہ بودے و طبیعت وبینش اہل ایں دیار مقتضے آنکہ لامحالہ رفتن مرا محرک آمدن او دانند۔

شیخ کو تو صرف ہندوستان کے الزام جاسوسی کا کھٹکا تھا، لیکن یہ ہندوستان کی سیاسی زندگی کے لئے جو نازک ساعت تھی اسے حزیں جیسے ”فارسی پرست“ کیا جانیں، جس کی محبوب چیز معرضِ خطر و اختلال میں پڑتی ہے تو خیالات کی پرواز سے کہاں نہیں پہونچا دیتی۔ الغرض شیخ حزیں کی ناز برداری نہ ہونے کی دوسری وجہ ملک کی سیاسی پیچیدگی تھی۔

مذہبی اختلاف

شیخ نے اپنے عقاید کے متعلق کہیں نہیں لکھا، لیکن تذکرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ مذہب شیعی کے اثنا عشریہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، ہرچند آپ کے خیالات میں فرقہ وارانہ عصبیت اور مذہبی تنگ نظری نہیں پائی جاتی، کیونکہ آپ ایک زبردست عالم اور اعلیٰ درجہ کے محقق تھے، محض تقلیدی عقاید کے آپ پابند نہ تھے، جس کا تذکرہ اونہوں نے خود فرمایا ہے، ہندوستان ہمیشہ کمالات کا قدرداں رہا ہے، اور اسے علم و فضل کی قدردانی میں فرقہ وارانہ اختلافات کا خیال نہیں ہوا، چنانچہ اردو کے اکثر سرکردہ شعراء مذہب شیعی ہی کے متبع تھے، ہندوستان کا کون سنجیدہ دماغ کہہ سکتا ہے کہ اس کے قلب میں میرؔ، غالبؔ، آتشؔ، انیسؔ وغیرہ کے لئے جذبۂ احترام نہیں پایا جاتا، لیکن شیخ عقاید شیعی کے گہوارہ سے نکلکر ہندوستان میں آئے تو انہیں مذہبی فکر و عقاید کا ایک جدید سماں نظر آیا۔ حکومت کا عقیدہ بھی شیخ سے مختلف تھا، ملک کی بڑی جماعت آپ کے خیالات مذہبی سے اختلاف رکھتی تھی، ممکن ہے، لسانی انقلاب، اور سیاسی شورش کے ساتھ، مذہبی اختلاف نے بھی ملک کچھ بددلی پیدا کر دی ہو،

کمالات علمیہ اور ذوق مطالعہ

اگلی سطور میں لکھا جا چکا ہے کہ شیخ کا خاندان ایک علمی خاندان تھا، اس لئے بچپن ہی سے انہیں علم و فن سے دلچسپی تھی، پھر جیوں جیوں علمی استعداد بڑھتی گئی، کتب بینی کا شوق بھی بڑھتا گیا، اور یہ شوق اسقدر پائدار اور یہ جذبہ اسقدر مستقل تھا، کہ جبتک زندہ رہے تحصیل علوم کا نشہ نہ اترا، فارغ التحصیل ہو چکے ہیں والد کے ساتھ اپنے آبائی وطن لاہجان سے اصفہان کیطرف آرہے ہیں، رستہ میں رسالہ تشریح افلاک پڑھ ڈالا۔ ہیئیات کے متعلق معلومات حاصل کئے، اصفہان میں پہونچے، تو فرماتے ہیں:-

> دراں بلدہ بازبشوقے تمام و وجدے موفور بمذاکرہ و مباحثہ مشغول شدم و روزگارے بجمعیت و آرام داشتم و در مدرس فاضل نحریر مرزا کمال الدین حسن فسوی باستفادہ تفسیر بیضاوی، و جامع الجوامع طبرسی، و امور عامہ شرح تجرید پرداختم و نزد مولانائے فاضل حاجی محمد طاہر اصفہانی کہ محدث و فقیہ زماں بود کتاب استبصار شیخ طوسی و شرح لمعہ دمشقیہ قراۃ کردم۔

اس کے بعد شیخ عنایت اللہ گیلانی سے منطق تجرید (جو منطق میں ایک بہترین کتاب ہے) اور کتاب نجات شیخ الرئیس شروع سے آخر تک

پڑھ ڈالی پھر امیر سید حسن طالقانی کے حلقہ درس میں فصوص الحکم شیخ عربی اور شرح ہیاکل النور پڑھی، طب کا شوق ہوا، ایک رات مطالعہ میں مشغول تھے اور فن طب کی کتابیں گرد و پیش جمع تھیں، قریب صبح شیخ کے والد آئے اور کہا جس شخص کو فرصت کا اعتماد ہو تو جو چاہے حاصل کرے، اسے جائز ہے، لیکن تمہیں طول عمر پر ایسا اعتماد کیونکر حاصل ہوا، میں دیکھتا ہوں تمہارا نفس تمہارا جسم پگھلا رہا ہے، پھر اس کے بعد چند باتیں تلقین کیں اور روئے اور دعا کرتے ہوئے اٹھ گئے پھر فرماتے ہیں:۔

> پس از چندے بخدمت فاضل محقق میرزا محمد طاہر خلف مرزا ابوالحسن قاینی کہ در ریاضیات داد اسط حکمت نادرۂ زمن بود رفتہ مدتے تحصیل و تنقیح رسائل ہیئات و شرح تذکرہ و تحریر اقلیدس و تحریر مجسطی و قوانین حساب پرداختم۔

مختلف مذاہب کی تعلیم کے متعلق انہوں نے ان مذاہب کے مشہور علما سے مذہبی کتابیں پڑھیں، اصفہان میں ایک نصرانی خلیفہ آوانوس تھا اس سے انجیل پڑھی، پھر شعیب ایک یہودی عالم تھا اس سے توریت کا درس لیا، آپ تقلید محض کے پابند نہ تھے، فرماتے ہیں:۔

> مرا در مسائل فرعیہ علمیہ کہ مواضع خلاف فقہا بود، اضطرابے و حیرتے روی داد و خاطر مطمئن بہ فتاوائے فقہا و معمول بین الناس نمی شد۔

فکر میں حریت تھی، خیالات مجتہدانہ تھے، فوراً احادیث کا مطالعہ شروع کیا، اسماء الرجال کی کتابیں دیکھیں، اور خود متنازع فیہ مسائل پر اجتہادی نظر ڈالی، فرماتے ہیں:۔

> احادیث را اصل و ماخذ دانستہ، بسیارے از کتاب تہذیب احکام شیخ طوسی را در مدرس مجتہد زماں آقا ہادی خلف مولانا محمد صالح مازندرانی استفادہ نمودم، و نظر در رجال حدیث و اسناد آں کردم و رجوع بہ کتب استدلالیہ فقہا و تشخیص طرق استنباط ایشان نمودم و بر کتب فرعیہ حدیث گذشتم و دراں باب جہد موفور کردم تا آنکہ در مسائل کہ احتیاج الیہ و معمول بہ بود بقدر وسع اطمینان حاصل آمد، و از تقلید محض، خاصہ با تخالف آرا و عدم عصمت احدے از مفتیاں کہ مرتقص اقدام است و موقف حیرت فی الجملہ رہائی حاصل آمد۔

دنیا کے سنجیدہ دماغ تقلید محض کے سخت مخالف رہے ہیں، اور انہوں نے فرقہ وارانہ عصبیت کا جال توڑ ڈالا ہے، شیخ حزیں نے دنیا میں ایک نکتہ سنج اور نازک خیال شاعر کی حیثیت سے شہرت پائی، وہ بھی تقلید محض کو ایک حیرت کی چیز بتاتے ہیں، ہندوستان میں غیر مقلدین (اہلحدیث) کا وجود، مستقبل ہند کی حریت فکری اور کاوش ذہنی و عقلی کا سنگ بنیاد ہے، جس کے شواہد آج بھی نظر آ رہے ہیں، "دی اسپرٹ آف اسلام" کے مصنف نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

عبادت و ریاضت

شیخ نے ابتدائی زندگی کے ریاضت پسندانہ رجحان کا تذکرہ کیا ہے، اور وہ اپنی موجودہ زندگی پر متاسف ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

> آں مقدار از کتب مختلفہ و فنون شتہ کہ در اندک مدت بہ مطالعہ من در آمد مگر قلیلے از علمائے تتبع را میسر آمدہ باشد و باایں حال رغبتی موفورہ بہ طاعات و عبادات بود، و لذتے عجیب ازاں می یافتم۔

لیلۃ القدر جمعہ اور دوسری متبرک راتوں کو ذکر و شغل میں مصروف رہتے، آپ کا معمول تھا کہ بیشتری سنن اور نوافل کو پابندی سے گذارتے، عبادت اور پاک زندگی کے اثرات کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں :-

ودل را از فرط رقت وصفائی وسینہ را انشراحے بود، وذکر آں احوال چنانکہ بود نتوانم کرد،

پھر فرماتے ہیں :- افسوس افسوس چہ دانستم کہ کار باین در ماندگی و دل مردگی و افسردگی کہ اکنوں کشیدہ، خواہد کشید۔

تصنیفات شعریہ

شیخ نے اپنی غزلیات، مثنوی، قصائد، رباعیات کے پانچ دیوان مرتب کئے تھے، پہلے دیوان میں تقریباً سات آٹھ ہزار بیت تھے، دیوان ثانی میں دس ہزار بیت تھے، اس میں تذکرۃ العاشقین نامی ایک مثنوی بھی تھی، جسمیں عرب کی ایک روایت حسن و عشق سے پلاٹ لیا گیا ہے، جو اصمعی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں "در طریق طائف سنگے دیدم کہ بریں بیت نوشتہ بود"

الا یا حشر العشاق باللہ خبروا　　اذا اشتد عشق بالفتی کیف یصنع

یہ مثنوی ایک ہزار بیت پر مشتمل تھی۔

۱۱۲۷ھ میں شیخ کے والد نے انتقال کیا، دو برس کے بعد والدہ بھی سیارجناں ہوئیں اصفہان میں طبیعت نہیں لگی، شیراز میں آئے یہاں اگلے دوست مر چکے تھے، اس زمانہ میں شیخ نے بہت سے اشعار کہے، اور اپنا تیسرا دیوان مرتب کیا، جسمیں تین چار ہزار ابیات تھے، اپنے چوتھے دیوان کے متعلق صرف اسی قدر لکھتے ہیں :-

"اشعاریکہ دراں مدت گفتہ شدہ بود جمع آوردم وایں چہارم دیوان خاکسار است"

بوستان سعدی کے طرز میں ایک مثنوی لکھی جس کا نام خرابات رکھا، ہر چند یہ تمام نہو سکی، اسمیں ایک ہزار دو سو بیت تھے، معمہ گوئی کی طرف بھی رغبت ہوئی۔

ایک مرتبہ دوستوں کے ساتھ صحرا نوردی کر رہے تھے، گھوڑا گرا، شیخ بھی گرے، داہنے ہاتھ میں چوٹ آئی اور ایک سال تک درد و اذیت میں مبتلا رہے، اس زمانہ میں بہت سے اشعار کہے، بائیں ہاتھ سے لکھنا شروع کیا، مثنوی ساقی نامہ جو ایک ہزار بیت پر مشتمل تھی اسی زمانہ کا کلام ہے۔

علمی تصنیفات

رسالہ کنہ المرام جو قضا و قدر کے بیان میں ہے، ہندوستان میں لکھا، یہ وہ وقت تھا جب شیخ کی اقامت ہند کا ابتدائی زمانہ تھا، یہ کتاب یقیناً شیخ کی بہترین تصنیفات میں ہوگی، چونکہ ہندوستان کے متعلق جو تاثرات آپ کے قلب میں پیدا ہوئے تھے، انہیں قانون تجدید، یا ایک ہندوستانی کی حیثیت سے یہ کہوں تو بیجا نہیں، کہ جذبۂ انتقام کی ایک مہذب اور آراستہ صورت میں ادا کیا ہوگا، مکہ معظمہ میں ایک رسالہ "امامت" تصنیف کیا، اس کے متعلق خود فرماتے ہیں :- "بہ سبب اشاراتے کہ در رویا روی داد" مشہد مقدس میں تھے تو چند رسائل لکھے، جن کے متعلق لکھتے ہیں "بسیارے از کتاب رموز کشفیہ" "با چند رسالہ دیگر در آنجا تحریر نمودہ ام" کرمانشاہان میں تھے، تو مجربات طب کے متعلق "مفرح القلوب" نامی ایک رسالہ لکھا، اور دوسرا رسالہ "تجرد نفس" بھی اسی مقام پر تصنیف کیا، شیخ ابن العربی کی کتاب فصوص الحکم کے فص ادریسی کے متعلق ایک شرح لکھی، اپنی چند دیگر تصنیفات کے متعلق لکھتے ہیں :-

رسالہ موسومہ بہ توفیق کہ در توافق حکمت و شریعت است و رسالہ توجیہ کلام قدمائے حکمائے مجوس در مبدا و عالم و

حواشی بر شرح حکمت اشراق، در دریخ الجنان در رسالہ ابطال تناسخ برائے طبیعین، و شرح رسالہ کلمۃ التصوف شیخ اشراق، وحاشیہ بر آلہیات شفا و فرائد الفوائد و حاشیہ بر شرح ہیاکل النور۔ و رسالہ در مدارج حروف و فرسنامہ تحریر نمودہ ام"

اس سے ظاہر ہے کہ شیخ حدیث، فقہ، فلسفہ، حکمت، کلام، تصوف، شاعری، آلہیات وغیرہ تمام علوم کے ماہر تھے۔

یورپ کی قدردانی | ایک انگریز مستشرق ایف سی بلفور نے، شیخ کے "تذکرہ" کا ایک نسخہ دو قلمی نسخوں سے مقابلہ کر کے مرتب کیا، اس کا ایک انگریزی ترجمہ سنہ ۱۸۳۰ء میں لندن شایع کیا اور اس میں جو تاریخی، اور جغرافی روایات ہیں ان کی تشریح کی۔

وفات | صاحب "خزانہ عامرہ" نے لکھا ہے، ۱۱۸۰ھ میں گیارھویں جمادی الاول کی شب کو انتقال کیا، بنارس میں پہلے سے ایک مقبرہ تیار کرا لیا تھا، یہیں مدفون ہوئے، شیخ کی قبر پر ایک کتبہ ہے، جسمیں خود شیخ کا یہ شعر پایا جاتا ہے:۔

حزیں از پائے رہ پیما بسے افسردگی دیدم سر شوریدہ بر بالین آسایش رسیدہ اینجا

(باقی)

(حزیں کے کلام پر تفصیلی و جزئی تنقید آیندہ ماہ میں شایع ہوگی)

عبدالمالک آروی

بکس بہار

خوبصورت بنو خوش آواز ہو

سفوف حسن یوسفی یہ سفوف چہرہ کے داغ دھبے۔ جھریاں۔ جھائیاں مہاسے بالکل مٹا دیتا ہے اور چہرے کے رنگ کو نکھار کر دنیا کے پھول کیطرح خوشنما بنا دیتا ہے۔ بہتر سے بہتر صابن اسکا مقابلہ نہیں نکتہ سنج اور نازک خیال پاؤں یا چہرہ پر خشکی کے زور پڑنے اور پھٹ جانے کو روکتا ہے کا وجود۔ مستقبل ہند کی تازہ رکھتا ہے فی شیشی عہ کے مصنف نے اس کا اعتراف ہے

عبادت وریاضت یہ گولی کھانسی کھرے پن بلغم وغیرہ کو دور کر کے آواز صاف اور بلند بنا دیتی ہے چند روز کا استعمال ملتونکو کانی ہے فی شیشی ایک ٹے میں بالونکو قدرتی رنگ پر سیاہ بنا دیتا ہے آں مقدار از کتب مخفہ ۔ا ہے فی شیشی ۱۲ دبا ایں حال رغبتی مو نوردہ

قوام خوشکام ایک بینک بھر کر پانیں لگانے سے منہ نہایت خوشبو دار ہو جاتا ہے اور بیحد لطف آتا ہے لطف یہ کہ بھوک بڑھاتا۔ اور تمام اعضائے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے قوت مردمی میں بیحد اضافہ کرتا ہے تندرستی اور جوانی کو قائم رکھتا ہے قیمت فی شیشی عہ غیر مکمل بکس

روغن خوشبو اسقدر خوشبو ہے کہ چند قطرے سر میں لگانے سے تمام جسم معطر ہو جاتا ہے درد سر کو روکتا ہے بالونکی جڑونکو مضبوط کرتا ہے اور سیاہی کو قائم رکھتا ہے دماغ کو بیحد تقویت دیتا ہے خشکی اور بے خوابی کو نیست نابود کر دیتا ہے قیمت فی شیشی عہ

قدرتی دائمی خضاب ان لوگوں کے لئے جو بال قبل از وقت سفید ہو گئے ہیں یا سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں اکو روک کر قدرتی سیاہ رنگ پر لاتا ہے کمی قوت مردمی خواہ کسی وجہ سے کیوں نہ ہو دور کرتا ہے اور اور از سر نو شباب کی طاقتیں پیدا کرتا ہے نزلہ کی تمام تکالیف دور کر کے دماغ و حافظہ کو قوی جگر گردہ، دل، اور معدہ، قوت مردمی کو بہت زیادہ تقویت دیتا اور چہرہ کو سرخ رنگدار و خوشنما بناتا ہے قیمت عنہ روپیہ جو کامل نامردہ، صرف تجربہ پیشگی دینا ہوگا

ملنے کا پتہ:۔ منیجر دار الحکمت نیا گاؤں لکھنؤ

چندراوتی

(فسانہ)

رات کو دو بجے مجھے فرصت ہوئی اور اخیر پروف شیٹ پاس کر کے مین نے اُوَرکوٹ پہنا - ٹوپی چھڑی ہاتھ مین لی اور سگریٹ جلاتا ہوا مورننگ اسٹار کے دفتر سے چورنگی پر نکل آیا۔

یون تو ۲۶ ر دسمبر کو کلکتہ مین ہمیشہ چہل پہل رہتی ہے لیکن میرے لئے یہ دن بہت انہماک کا تھا اور متحدہ مسلم کانفرنس کے جلسے مین (جو ایک تباہ ہونے والی قوم کے بداخلاقیون کا بہترین نمونہ تھا) صبح کو تین گھنٹے کامل ضایع کرنے کے بعد واپس آیا تو ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور چیف اڈیٹر کی آواز سنائی دی

"احسن مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آجکی گھوڑدوڑ مین وایسرائے کپ کے لئے شہریار کی کامیابی کے آثار اچھے ہین لیکن چونکہ گھوڑا نیا ہے اور نہایت مخفی طور پر طیار کیا گیا ہے اس لئے نہ لوگون کو حقیقت کا علم ہے اور نہ سر احسان الزمان کچھ بتاتے ہین - تم تو انکے پاس آتے جاتے ہو - اگر کچھ دریافت کرسکو تو کل گھوڑدوڑ کی خبرونکے ساتھ اس کا اضافہ بہت دلچسپ ہوگا" مین "دیکھیے کوشش کرتا ہون" کہکر ٹیلیفون رکھدیا - کانفرنس کی رپورٹ ختم کر کے نیوز اڈیٹر کو دے آیا - اور ٹیکسی لیکر سیدہا زمان پیلیس ہوٹل پہنچا لیکن سر احسان بھی باہر جا چکے تھے اسلئے مجھے ناکامیاب واپس ہونا پڑا۔

میرے نوکر نے دروازہ کھولا - اور اُوورکوٹ - ٹوپی اور چھڑی لیکر - آنکھین ملتے ہوے کہنے لگا "حضور - دو گھنٹے ہوئے سر احسان الزمان نے ٹیلیفون کیا تھا - فرمایا تھا کہ جب آپ واپس آئین تو اونھین خبر کر دیجئے گا - وہ منتظر رہین گے" مین نے "اچھا" کہکر نشست کے کمرہ مین جاکر ٹیلیفون پر ۷۵۶۵ پارک - زمان پیلیس کا نمبر مانگا اور ایک لمحے مین سر احسان دوسری طرف بولتے ہوے سنائی دئے - "جی ہان ، ابھی ابھی واپس ، ...... ہان صبح حاضر ہوا ...... شہریار کی کامیابی ...... حضور دعوت ...... ضرور ...... کیا فرمایا ...... کل گیارہ بجے ...... بہتر ضرور حاضر ہون گا ...... کیا فرمایا ...... رانی چندراوتی ...... نہین ابھی تک تو ...... آج صرف پیڈک کے قریب دیکھا تھا ...... ضرور ضرور ...... آپیرا ہاوس ...... ہان ہان ...... حاضر ہونگا ...... شکریہ ...... تسلیم" ٹیلیفون رکھ کر مین دیر تک کھڑا سوچتا رہا - کل گیارہ ، ہفتون بلکہ مہینون نے مجھے شب کے کھانے پر بلایا تھا اور مہارانی چندراوتی انکی خاص مہمان ہونیکو تھین - مہارانی صاحبہ کل آ ... ندگی کا منظر ہوتا کہین سے گانیوالی تھین اور اوسکے بعد زمان پیلیس مین دعوت تھی - لیکن میری سمجھ مین نہ آتا تھا کہ آخر ، ذریعہ سے لوگون مین ایک

خاص شوق اور ایک خاص ہیجان اور بیچینی پیدا کیجاتی - ہفتون پہلے سے شہر کے لوگ سوائے اس کے کسی اور مضمون پر گفتگو ہی نہ کرتے تھے - مہارانی کے آنے سے بہت پہلے تھیٹر کے کل ٹکٹ بک چکے ہوتے - قبل سے کسی ایک جگہہ دو ایک دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ظاہر نہ کیا جاتا - لیکن اگر یہانتک مین مزید شوق دیکھا جاتا تو دو ایک دن اور بھی ٹھہر جاتین - ایک کے بدلے دو تین تماشے ہوتے - ٹکٹ کے دام دو گنے تگنے کردئے جاتے الغرض لاسکی نے مہارانی کے ذریعہ سے اور مہارانی نے لاسکی کے ذریعہ سے کافی دولت حاصل کی

دو برس کے بعد جب لاسکی کے معاہدہ کی مدت ختم ہوئی تو امریکہ اور یورپ کے تھیٹر والون مین لاگ ہوگئی - لیکن چندر راوتی نے چونکہ اتنے دنون مین اچھی طرح دنیا دیکھ لی تھی اور وہ اپنے حسن کی جادوگری اور اپنی جوانی کی مقناطیسی قوت سے آگاہ تھین اسلیئے خود انھون نے براہ راست اپنا کاروبار شروع کیا - اور خود اپنے انتظام سے رقص وجمال کے تماشے دکھانے لگین - مغربی رئیسون کو بھی آنے جانے کا موقع دیا گیا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہُن برسنے لگا اور دولت کی انتہا نہ رہی، پانچ سال تک مہارانی یورپ - امریکہ - جاپان - اور چین کے دورے کرتی ہوئی ہندوستان آئین - اور بمبئی مین صرف ایک شب گا نیکے بعد آج کلکتہ کے آپیرا ہاوس مین والسرائے اور امراء ہند کے سامنے نغمہ زن ہونے والی تھین

مین انھین خیالات مین ڈوبا ہوا آپیرا ہاوس پہونچ گیا - سامنے فوج کا پہرہ تھا - مورننگ اسٹار کے نامہ نگار ہونیکے وجہ سے مجھے ٹکٹ خریدنے کی ضرورت نہ تھی - ہال مین رستم جی منیجر ملے اور اونھین کے ساتھ مین بھی ایک کونہ مین کھڑا ہوگیا - سارا تھیٹر جواہرات سے جگمگا رہا تھا - والسرائے اور گورنر کے علاوہ بہت سے امراء جمع تھے اسٹیج پر "مہارانی" گا رہی تھین ہندوستان کا ہر باجہ اکٹھا کیا گیا تھا - انکی وردیان زرق برق تھین انکے آگے بیس پچیس حسین کمسن عورتون کا مجمع تھا اور انکے جھرمٹ مین مہارانی ناچ ناچ کر اور بھاؤ بتا بتا کر گا رہی تھین انکے لباس اور انکے زیورات کا حال بیان کرنیکی مجھمین طاقت نہین ہان اتنا ضرور کہونگا کہ گو ریاست فتح پور کے دئے ہوئے جواہرات چھن گئے تھے لیکن فتح پور جیسے بیسیون والیان ریاست اور مغربی لارڈ اور کروڑپتی تاجرونکے دئے ہوئے جواہرات مہارانی کے جسم پر چمک رہے تھے - انکا حسن اب بھی باقی تھا - جسم مین ابھی تک چھریرا پن موجود اور انداز رعنائی مین ابھی تک جادو بھرا تھا - مالکوس گا رہی تھین اور اس پانچ سر کی راگنی مین وہ باتین پیدا کر رہی تھین کہ انگریز بھی سر دھن رہے تھے اور لیڈیان بھی موسیقی سے متاثر ہو کر پانون ٹیک رہی تھین - مالکوس کے بعد ایک انگریزی گانا شروع ہوا جو دادرا کے طرز پر بندھا ہوا تھا اسکے ساتھ کہروا ناچ نے مجمع کے ہر فرد کو آپے سے باہر کر دیا تھا، سب ساز بند تھے صرف میان مراد علی پٹنہ والے کی سارنگی بج رہی تھی - انکا جے پوری صافہ - گلابی کمخواب کی شیروانی گلے مین اور موٹی طلائی زنجیر ساز ندون مین انھین ممتاز بنائے ہوئے تھی انکے سیاہ گلمچھے اور گھنی مونچھ اور پھر تان کی ہر لپیٹ اور تارون پر انگلیون کی ہر سوت کے ساتھ انکے سر کا ہلنا اور ہر گت اور مُرکی پر انکے منہ کا بننا بگڑنا بہت پر لطف منظر تھا - میان ریاضی بھی آہستہ آہستہ ٹھیکا دئے جا رہے تھے - اور جب بایان دبنے لگتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑا کبوتر بول رہا ہے اور دل مین ایک خاص گدگدی سی

معلوم ہوتی تھی۔ غضب کا سماں تھا۔ رقص کے اختتام پر تحسین کا ہنگامہ تالیونکا شور ہوا۔ مہارانی ایک عجیب انداز دلربائی سے سر جھکائے کھڑی رہنے کے بعد اسٹیج سے اوتر کر وائسرائے کے سامنے گئین جنھون نے بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا۔ مبارکباد دی اور پھر رخصت ہوے۔ بھیڑ چھٹنے لگی۔ مین بھی باہر نکل آیا اور ٹیکسی لیکر زمان پیلس پہونچا

زمان پیلس دولھن کی طرح سجا ہوا تھا۔ باغ کے ہر ہر درخت کی ڈالیون اور روش کے کنارے کنارے جھاڑ یونمین قمقمے روشن تھے سر احسان مہمانون کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ میرے پہونچتے ہی مہارانی چندراوتی اپنی بہت بڑی۔ ہسپانو سونزا۔ سوہارس پاور کی موٹر پر تشریف لائین۔ یہ گاڑی انھون نے خاص اپنی فرمائش سے بنوائی تھی اور خالص چاندی کی تھی دروازونکے دستے سونیکے تھے۔ اس گاڑی کی تصویرین مین کئی بار دیکھ چکا تھا مگر اسوقت جو اسے دیکھنے کا موقع ملا تو مین حیران رہگیا

جب مین ڈرائینگ رُوم مین داخل ہوا تو تمام مہمان جمع تھے جن مین سر جیمس فریزر چیف جسٹس سر چارلس فرگوسن پولیس کمشنر۔ جنرل سر ہنری اسٹوارٹ بنگال کی فوجونکے افسر اعلی۔ جسٹس کمار ناتھ بینرجی وائس چانسلر نواب محسن علی آف براج پور کرنل چانسلر پرنسپل میڈیکل کالج۔ راجہ سر ندر ناتھ سین صدر مجلس سونہ رامی خاص طور پر قابل ذکر ہین

میرے والد سر احسان الزمانکے منشی تھے اور انکے انتقال کے بعد سر احسان ہی نے مجھے تعلیم دلوائی تھی۔ کیمبرج بھیجا تھا۔ صحافت کی تعلیم دلوائی تھی اور انھین کی سفارش سے مورننگ اسٹار جیسے معزز انگریزی اخبار کا نامہ نگار ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی اولاد کی طرح مانتے تھے اور مجھے پیلس کی ہر دعوت اور ہر تقریب مین بلایا کرتے تھے

زمان پیلس کا ڈرائنگ روم کلکتہ کا سب سے عمدہ اور آراستہ کمرہ تھا یورپ کے متعدد رسالونمین اسکے فوٹو نکل چکے تھے اس کمرہ قلمی تصویرین۔ اسکے ایرانی قالین۔ سیکڑون برس کے قدیم چینی کے گلدان اور کھلونے۔ ہاتھی دانت کے مجسمے اور سامان آرائش ایسی چیزین تھین جو دنیا مین نایاب تھین اور جنھین دیکھے بغیر کوئی امریکن سیاح کلکتہ سے چلا نہین جاتا تھا

مہارانی کے کمرہ مین داخل ہوتے ہی دوسرے مہمانون نے انکے گرد جُھرمٹ کر لیا۔ سر احسان نے ایک ایک سے تعارف کرایا اور سبھون نے اپنی خوش قسمتی کا اظہار کیا۔ مہارانی کی اعلی موسیقی اور بہترین رقص کا ہر شخص معترف تھا اور ہر شخص کی زبان سے واہ واہ اور سبحان اللہ نکل رہا تھا۔ خادم نے مودب لفظون مین خاصہ چنے جانیکی اطلاع کی۔ سر احسان نے مہارانی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور وہ مسکراتی ہوئی انکے بازو پر سہارا دیکر کھانے کے کمرہ کی طرف بڑھین۔ چھپی ہوئی فہرست ہم سبھونکو پہلے ہی مل چکی تھی جسمین میز کے گرد ہر ایک کی مخصوص جگہہ بنی ہوئی تھی اور ایک ساتھ جانیوالے مرد عورت کے نام لکھے تھے۔ ہر ایک اپنی لیڈی کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر پیچھے ہو لیا۔ مین راجہ کمار ناتھ کے ساتھ سبھونکے عقب مین تھا

زمان پیلس کے کھانیکے کمرہ کے بلورین میز اور بلورین کرسیان بوہیمیا کے شاہی محل کی تھین۔ جنگ عظیم کے بعد جب اس خاندان سے تخت چھن گیا اور شاہزادے آوارہ وطن ہو گئے تو سر احسان نے ایک ایجنٹ کے ذریعہ سے اسے ایک کثیر رقم دیکر حاصل کیا تھا۔ دور سے انگریزی باجونکی دلکش آواز آنے لگی اور کھانا شروع ہوا۔ ہر شخص ہنس ہنس کر باتین کر رہا تھا

لیکن سبھون کی نظر مہارانی کی طرف تھی اور سب انھین کی باتین سننے کے مشتاق تھے۔ کھانا ختم ہونے کے بعد سر احسان کھڑے ہوگئے گفتگو بند ہوگئی اور ہر شخص انکی طرف مخاطب ہوکر ہمہ تن گوش ہوگیا۔ سر احسان نے آہستہ آہستہ رک رک کر اپنی تقریر شروع کی اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ کسی جذبے کو روکنے کی کوشش کر رہے ہین۔ اونکی اونگلیان کانپ رہی تھین اور وہ رہ رہ کر بنی پیشانی سے پسینہ پوچھتے جا رہے تھے

"میرے معزز دوستو۔ یہ کوئی سیاسی مجمع تو ہے نہین۔ صرف میرے چند خاص احباب کی محبت ہے۔ جنھون نے میری ناچیز دعوت قبول کرکے مجھے ممنون ہونے کا موقع دیا ہے۔ آج مین اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کرون مجھے زیبا ہے۔ کیونکہ فخر جہان، بلبل ہندوستان مہارانی چندراوتی صاحبہ نے میرے گھر آکر مجھے دنیا کا سب سے خوش قسمت شخص بنا دیا ہے۔

حضرات۔ آپ مین سے کون ایسا ہے جو برسون سے مہارانی کے دیکھنے کا متمنی نہ تھا۔ اور مین دعوی کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ اخبارون اور رسالون کے ذریعہ سے مہارانی کی جو تصویر ہمنے اپنے دلون مین کھینچی تھی۔ اوس سے انھین کہین بڑھ کر پایا دوستو۔ آخر جادو ہے کیا؟ جادو نام ہے حسن کا۔ آواز کا اور دولت کا اور اگر دنیا۔ اور آجکل کی روشن خیال اور ترقی یافتہ دنیا مین کوئی سچا جادوگر ہے۔ یا یہ کیون نہ کہون کہ جو خود مجسم جادو ہے وہ ہماری مہارانی صاحبہ مین انکا دلربا حسن وجمال۔ انکا دلکش ترنم۔ انکی بے پایان دولت اگر جادو نہین تو کیا ہے۔ (تحسین کے پرزور نعرون اور گونجتی ہوئی تالیون نے اس مدح سرائی کی تائید کی مہارانی شرم سے سر جھکائے اپنی انگوٹھیون سے کھیل رہی تھین۔ چہرہ گلنار ہو رہا تھا)۔

"حضرات۔ مین ڈرتا ہون کہ آپ نے ان جملون کو شاعرانہ تخئیل سمجھا ہو۔ مگر مجھے بتائیے کہ ہندوستان مین زہرہ بائی اور بی حیدری سے لیکر بی گوہر اور بی نورجہان تک اور کالکا بندادین سے بی چودھرائن تک کون ایسا تھا اور ہے جسکے رقص وسرود مین وہ اثر ہو جو مہارانی کے ناچ گانے مین ہے۔ اور یورپ مین مدام پاولوا اور مدام لاپاکووا۔ ٹٹرازینی اور گھیلی کرسی یا ڈیم کلارا بٹ انمین سے کون ہے جو ہماری مہارانی کا مقابلہ کرسکے۔ نہین۔ دوستو مین سچ کہتا ہون کہ مہارانی کے کمال پر ہندوستان جتنا بھی ناز کرے بجا ہے اور مغربی مہذب تو مین انکی جتنی عزت کرین کم ہے" (تحسین کا شور)۔

سر احسان اتنا کہکر خاموش ہوگئے۔ پانی کا ایک گھونٹ پیکر چہرہ کا پسینہ پونچھا اور اب جو اپنی تقریر کا سلسلہ شروع کیا تو بہت دھیمی آواز مین اور اس طرح جیسے اپنی کسی بات پر نادم ہون۔

"لیکن میرے دوستو مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے دلمین کہہ رہے ہونگے کہ مجھ جیسے زاہد خشک کو رقص وسرود سے کیا تعلق۔ تو سنئے آج مین اپنے اُس راز کو ظاہر کرتا ہون جو آج پندرہ سال سے میرے دلمین پنہان ہے اور اسوقت مین اوس مُہر کو توڑنے کھڑا ہوا ہون جو میرے لبون پر ایک مدت سے لگی ہوئی ہے"

اتنا کہکر سر احسان بیٹھ گئے اور سارے مہمان کسی غیر معمولی اثر سے متاثر ہوکر انکی طرف جھک گئے۔ مین نے دیکھا کہ مہارانی گھبرا گھبرا کر متاثر ہوکر انکی طرف دیکھتی اور کچھ کہنا چاہتی تھین لیکن چپ رہجاتی تھین انکا گلاب سا چہرہ افسردہ ہوگیا تھا۔ اور

پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلک رہے تھے۔ سر احسان نے پانی کا پھر ایک گھونٹ پیا اور بیٹھے ہی بیٹھے کہنا شروع کیا۔ کمرہ مین سناٹا تھا ہماری سانسین تیزی سے چل رہی تھین۔ خادم کمرہ سے باہر چلے گئے تھے

"دوستو۔ آج سے پندرہ سال قبل مین شہر گیا مین ضلع کا ایک معمولی بیرسٹر تھا۔ چھوٹی جگہ تھی۔ وکیلون کا زور تھا۔ میرا اپنا آبائی مکان تھا مختصر سی جائیداد بھی تھی۔ سادہ زندگی تھی۔ خوشی کے ساتھ سفید پوشی سے کٹی جاتی تھی۔ میری شادی خاندان ہی مین ہوئی تھی۔ لیکن میری بیوی کا شادی کے دو سال بعد انتقال ہو گیا تھا۔ صرف ایک لڑکا تھا" سر احسان کچھ دیر کے لئے پھر چپ ہو گئے۔ مین نے دیکھا کہ مہارانی کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ سانس چڑھ رہی تھی اور آنکھون سے خوف کی جھلک نمودار تھی۔ سر احسان کی آواز اور بھی دھیمی تھی۔ اور گو یا وہ ہمارے سوا کسی دوسرے کو مخاطب کر رہے تھے یا اپنے دل سے بول رہے تھے۔

"میرے بچے نے میری ماں باپ کے ساتھ پٹنہ مین پرورش پائی تھی۔ وہین پڑھتا بھی رہا تھا۔ صرف چھٹیون مین میرے پاس چلا آیا کرتا تھا۔ اب جوانی کا آغاز تھا۔ مسین بھیگ رہی تھین۔ بی۔ اے کا امتحان دیکر میرے پاس آیا تھا۔ مین نے اوسکی دلبستگی کے لئے گراموفون منگا دیا تھا۔ ناول خرید دئے تھے۔ گھوڑا دے دیا تھا۔ غرض اسکی دلجوئی مین ہر طرح کوشان تھا۔ اور اسپر اپنی جان فدا کرنیکو ہر طرح موجود تھا۔ اسوقت یہ اپنی ماں سے بہت مشابہ تھا۔ اور جب مین اسے دیکھتا تھا تو اسکی ماں کی تصویر میری آنکھون کے سامنے آجاتی تھی" (باوجود ضبط سر احسان کے آنکھون سے آنسو ٹپکنے لگے اور ہر شخص انکی یہ حالت دیکھکر بہت متاسف تھا)

"ایک روز مین ایک سنگین مقدمہ مین مشورہ کے لئے کہین گیا ہوا تھا۔ دیر ہو گئی۔ رات کے بارہ بجے واپس آیا۔ اور سو رہا۔ دو بجے ہونگے کہ ایک جگر خراش چیخ کی آواز آئی اور مین چونک کر اوٹھ بیٹھا۔ دوسری بار پھر چیخ کی آواز آئی اور بیقراری کے ساتھ تڑپ کر مین مکان کے اوس طرف دوڑا جہان میرا بچہ سویا کرتا تھا۔ لالٹین دھیمی جل رہی تھی۔ مین نے قریب ہوکر دیکھا کہ میرا بچہ پلنگ کے کنارے بیٹھا دونون ہاتھون سے کلیجہ کو سنبھالے جھکا ہوا خون تھوک رہا ہے۔ یہ دیکھکر بیقراری اور بیتابی سے ایک دل ہلا دینے والے کرب کے ساتھ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ مین نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اُسے سینے سے لگا لیا۔ اوسکی حالت پوچھی اور اوسنے رک رک کر ہچکیان سے لیکر اپنا دکھڑا سنایا۔ مین نے خادم کو جگایا۔ ڈاکٹر کے گھر بھیجا۔ مگر بھلا دو بجے رات کو ڈاکٹر جلدی کیا آسکتے تھے دیر ہوئی۔ مین سر پیٹتا رہ گیا۔ اور میرے بچے نے میری گود مین تڑپ کر جان دیدی" (سر احسان کے ہچکیان بندھی تھین۔ آنکھون سے آنسو جاری تھے)۔

"دوستو۔ اب میرے لئے کیا باقی رہگیا تھا۔ دنیا آنکھون مین اندھیر تھی اور زندگی برباد۔ ایک مدت تک میری حالت دیوانون کی سی رہی۔ سخت علیل ہو گیا۔ تبدیل آب و ہوا کے لئے یورپ چلا گیا۔ ڈیڑھ سال کے بعد جب گیا واپس آیا تو ہر ہر کونہ مین خون کے دھبے نظر آنے لگے۔ رہ رہکر جگر خراش چیخ کی آواز سنائی دینے لگی۔ گھر کاٹے کھاتا تھا۔ مین نے اسے بیچ کر اسکی قیمت یتیم خانہ کو بھیجدی اور کلکتہ آکر پریکٹس شروع کی۔ خدا نے میری زبان مین اثر دیا۔ کام اچھا چلنے لگا۔ مقدمات نکلنے لگے اور دو تین سال مین ایک مشہور اور نامی بیرسٹر ہو گیا"

سبھون نے سمجھا کہ یہ دکھ بھری داستان ختم ہوگئی۔ مگر گومین سراحسان کی تقریر کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ میری نظر مہارانی کے چہرہ پر تھی۔ ایک عجیب انتشار اور گھبراہٹ کا عالم تھا۔ سارا جسم کانپ رہا تھا۔ رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ سراحسان نے پھر شروع کیا

"حضرات آپ یہ سننے کے منتظر ہونگے کہ آخر میرے بچے کو ہو کیا گیا تھا

"میرے دوستو۔ گیامین میرا مکان اوس سڑک پر تھا جو چوک کے پشت پر واقع ہے۔ میرے مکان کے سامنے منانامی ایک طوائف رہتی تھی اور اوسکی ایک لڑکی تھی تارہ۔۔۔۔۔۔" سراحسان کی زبان سے یہ نام نکلا ہی تھا کہ مہارانی کے منہ سے ایک دل ہلا دینے والی چیخ نکلی "نواب صاحب۔۔۔۔۔۔" شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھین لیکن سراحسان نے ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا۔

"دوستو۔ جس زمانہ کا مین ذکر کر رہا تھا۔ تارہ اون دنون جوان ہو رہی تھی اسکے حسن کے چرچے ہونے لگے تھے۔ ذہین اور طبیعت دار تھی۔ اچھا گانے لگی تھی۔ مجرے شروع ہوگئے تھے۔ اور دو ایک ریاستون مین بھی ہو آئی تھی میرا بچہ اپنے شباب کے آغاز مین اسیر عاشق ہو گیا۔ وہ مجھسے چھپ چھپ کر اسکے گھر جانے لگا۔ مگر اسکے گھر نیم کے کسی راجہ کا ملازم آیا ہوا تھا۔ تارہ کی مان نے اسے آنے جانے سے منع کیا۔ مجھے مطلع کر دینے کی دھمکی دی۔ مگر کمسن بچہ اور وہ بھی پہلا عشق تارہ ابھی اسکی طرف ملتفت تھی۔ آخر ایک دن مان بیٹی مین بحث ہوگئی۔ مان نے عشق کی آزمایش کے لئے تارہ سے فرمایش کی کہ وہ میرے بچے کو شراب پلائے۔ دوسری رات جب میرا بچہ گیا تو تارہ نے شراب پلائی اس نے انکار کیا۔ لیکن جب تارہ نے یہ کہا کہ مان نے عشق کی یہی آزمایش رکھی ہے تو اسنے پی لی۔ دوستو۔ ممکن ہے کہ تارہ کو نہ معلوم ہو کہ اس شراب مین کیا ملا تھا۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ اس شراب نے چند گھنٹون مین مجھسے میرے جگر کے ٹکڑے کو ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا کر دیا۔"

"دوستو۔ دم توڑتے ہوئے بچے نے مجھسے دو وعدے لئے تھے۔ ایک تو یہ کہ اسکی اس طرح کی موت کی کسی کو خبر نہ دونگا۔ میرا بچہ بڑا غیور تھا اسے عزت کا بڑا خیال تھا۔ اور مرتے وقت بھی یہی خیال تھا کہ خاندان کے نام پر دھبہ نہ لگے۔ اور دوسری یہ فرمایش تھی کہ مین اپنی بیوی کے زیورات تارہ کو دیدون کیونکہ وہ تارہ سے انکا وعدہ کر چکا تھا"

"میرے عزیز دوستو۔ پہلی فرمایش مین نے آج تک پوری کی۔ لیکن دوسری فرمایش کے لئے جب مین نے پوری سے واپس آکر سنا اور تارہ کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دونون اس کے مرتے ہی شہر سے کہین اور مقام پر چلی گئی تھین۔ مین نے بڑی کوشش کی مگر پتہ نہ چلا"

(سراحسان پھر چپ ہوگئے۔ اور مین نے دیکھا کہ چیف جسٹس اور پولیس کمشنر متوحش نظر آرہے تھے)

"دوستو۔ میری داستان ختم ہوگئی۔ صرف چند کلمے اور ہین۔ ابھی چند دن ہوئے مین ایک مقدمہ مین بمبئی گیا ہوا تھا وہان ایک رات جی گھبرایا تو تھیٹر چلا گیا۔ مگر آپ میری حیرت کا اندازہ نہین کر سکتے جب مین نے دیکھا کہ وہی تارہ اسٹیج پر کھڑی گا رہی تھی۔ مزید احتیاط کے لئے مین نے اپنا کارڈ بھیجا اور انکے ڈریسنگ روم مین اسنے ملاقات کی۔ یہ مجھے بالکل پہچان نہ سکی کیونکہ میرا نام بدلا ہوا تھا پہلے داڑھی نہ تھی اور اب سفید داڑھی ہے۔ بہر حال مجھے یقین ہو گیا کہ تارہ یہی ہے۔ حضرات مین اتنی مدت کے بعد آج اپنے بیٹے کی قاتلہ سے بیٹھا گفتگو کر رہا تھا۔ دلمین ہزارون طرح کے جذبے پیدا ہو رہے تھے۔ بچے کی صورت

آنکھون کے سامنے تھی۔ خون کے دہبے ہر طرف نظر آرہے تھے۔ تارہ کا گلا گھوٹنے کو بیقرار ہورہا تھا۔۔۔۔۔۔۔" ابھی سراحسان نے اپنا جملہ ختم بھی نہ کیا تھا کہ مہارانی غش کر گئین۔ ہم سب اونکی طرف دوڑے۔ مگر سراحسان نے ہمین اپنے اپنے مقام پر بیٹھے رہنے کو کہا۔

"دوستو۔ کیا اب اس کے کہنے کی ضرورت ہے کہ وہ تارہ کون تھی۔ آپکی اور ہماری مہارانی، چندراوتی

ہم سبھو نکا حیرت سے عجیب عالم تھا۔" کہان فتح پور کی مہارانی اور کہان گیا کی ایک طوائف"

مہارانی غش سے چونک رہی تھین۔ "سراحسان۔ نواب صاحب رحم۔ خدا جانتا ہے مین زہر سے واقف نہ تھی۔ میری ماں نے مجھے بھی دہوکا دیا تھا"

سراحسان نے مسکرا کر کہا۔ "بیوی۔ ہر چند مجھے آپکے بیقصور ہونیکا یقین ہے مگر مین پھر بھی آپ کا دیکھنا گوارا نہ کرتا اگر مجھے اپنا وعدہ پورا کرنا نہ ہوتا"

سراحسان نے اوٹھ کر گھنٹی بجائی۔ اور ایک بوڑھا خادم لکڑیکا ایک پرانا صندوقچہ لے آیا۔ سراحسان نے اُسے کھولکر چاندی سونیکے معمولی معمولی پرانے اور میلے زیور نکالے اور ایک ایک کرکے مہارانی کو پہنانے لگے۔ ہم سب ساکت، متحیر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ مہارانی کی خوفزدہ آنکھین سراحسان کے ہاتھونکی ہر گردش کو گھوم گھوم کر دیکھ رہی تھین۔ مہارانی کے جسم پر قیمتی جواہرات کے ساتھ یہ بھدے گہنے عجیب طرح کے معلوم ہورہے تھے

سراحسان کے گھنٹی بجانے پر اوسی بوڑھے خادم نے الماری کھولکر شراب کی ایک بوتل نکالی اور سراحسان کے سامنے رکھکر چلا گیا سراحسان نے اپنا گلاس بھر لیا۔ اور کھڑے ہو کر کہنے لگے۔

"میرے معزز دوستو۔ مین آپکا بہت ممنون ہون کہ آپ اتنی دیر تک میری پُرغم داستان سنتے رہے۔ مگر آج کی صحبت غنیمت تھی اور مجھے آپکو اسکا شاہد بنانا تھا کہ مین نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ رہگیا مہارانی چندراوتی کا فیصلہ وہ خدا کے ہاتھ مین ہے۔ ہان اتنا ضرور ہے کہ اب مجھے دنیا مین زندہ رہنے کی ضرورت نہین" یہ کہکر سراحسان نے ہماری طرف سر تسلیم خم کیا اور اپنے گلاس کی شراب دفعتہً پی گئے۔ اور ساتھ ہی جھوم کر گرے۔ کرنیل چانسلر نے دوڑ کر انکی نبض ہاتھ مین لیلی۔ مگر طائر روح جسم سے پرواز کر چکی تھی۔ ہم سب پریشانی کے عالم مین سراحسانکے گرد کھڑے تھے کہ مہارانی بھی چیخ کر گرین۔ چیف جسٹس نے دوڑ کر سنبھالا۔ مگر وہ بھی دم توڑ رہی تھین۔ اور زہر آلود شراب کی باقی نصف بوتل بھی خالی ہو چکی تھی

سید علی اکبر کاظمی۔ بی۔ اے

(کیمبرج)

علم فراست الید:۔ اگر آپنے ابتک نہین ملاحظہ کی تو اب طلب فرمائیے قیمت علاوہ محصول (عہ) مینیجر نگار لکھنؤ

حقیقت منصور

آن شوخ حدیثے کہ ضلالست در و خون
بردار تو ان گفت و بہ منبر نتوان گفت

ہفتاد و دو ملت اندر دین کم و بیش | از ملتہا عشق تو دارم در کیش
چہ کفر و چہ اسلام چہ طاعت چہ گناہ | مقصود توئی بہانہ بردار ز پیش

(عمر خیام)

عشق کی تعمیر ہمیشہ انسان کے خون سے ہوئی ہے، اُسکے سر بہ فلک قصر نے اپنی آرایش اور اظہار شان کے لئے ہمیشہ گردن کے خون سے گلکاریون، جگر کے ٹکڑون سے رنگ آمیزیون اور دل صد پارہ کے اجزا سے پھول پتیان بنانے کا مطالبہ کیا ہے

آہ اور نالے اس کے نصیب، حسرت و یاس اس کے علمبردار، آنسو اس کے ترجمان ہین، چہرے کی زردی اسکا خاص رنگ ہے، قید مصیبت مین گرفتار ہوتے والون کا نام اس کی اصطلاح مین "یوسف" آگ مین جلنے والون کا لقب "خلیل" حلقہ دار و رسن مین تڑپ کر جان دیدینے والون کا عرف عام "منصور" ہے اور بھرے یار و مددگار، بھوکے، پیاسے رہ کر جان، مال، اولاد، تمام متاع ہستی لٹا دینے والا "حسینؑ" کہا جاتا ہے (علیہ الصلوٰۃ والسلام): ۔

دل لگا ہو تو جی جہان سے اُٹھا | موت کا نام پیار کا ہے عشق (میر)

عشق کی دنیا، اس مادی دنیا سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے، اس کا قانون عقل کے مطابق نہین ہوتا بلکہ خود عقل اس کے قانون کے تابع ہوتی ہے، عاشق "ہمہ اوست" کہکر تمام بندشون سے آزاد ہو جاتا ہے

غوغائے عشق و شور جنون ماجرائے عقل | افسانۂ تو، قصۂ تو، داستانِ تست

شیخ سعدی نے اس مسئلہ کو مفتی عشق کی زبان مین اور زیادہ صاف کر دیا ہے: ۔

عاشقے می گفت و خوش می گریست | جان بیاساید چو جانان قاتلست
سعدیا نزدیک رسم عاشقان | خلق مجنونند و مجنون عاقلست

آئے منصور کو اسی دنیا مین تلاش کرین، حضرت شیخ عطارؒ فرماتے ہین۔

"منصور کا معاملہ عجیب تھا، اس کے واقعات عجائب اور غرائب سے بھرے ہوے ہین، وہ عاشق صادق، پاکباز، عالی ہمت، رفیع المرتبت تھا (مختلف علوم و فنون مین) اس کی تصانیف بہت ہین، جن مین حقائق و اسرار کا یہ عالم ہے کہ عام فہم اور سطحی عقل دونون کی سمجھ سے باہر ہے، فصاحت اور بلاغت، تصوف اور عقلیات مین کوئی اسکا ثانی نہ تھا"

اقوال و آرا

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

جس طرح "دل" کا نام قلب۔ فواد۔ حشا۔ مضغہ، گوشت، مخروطی شکل کا ٹکڑا وغیرہ ہے اسی طرح "منصور" بھی مختلف اصطلاحوں مین مختلف نامون سے یاد کیا جاتا ہے:۔

۱۔ اکثر مشائخ کہتے ہین کہ وہ اس کو تصوف مین کچھ دخل نہ تھا"

۲۔ عبداللہ خفیف۔ شبلی۔ ابوالقاسم قشیری کے نزدیک منصور" مقبول ہے

۳۔ بعض مشائخ نے "ساحر" کہا

۴۔ بعض اہل ظاہر کے نزدیک وہ کافر تھا

۵۔ بعض اصحاب، اس کے عقیدۂ حلول پر اعتراض کرتے ہین

۶۔ بعض، "قول اتحاد" کا الزام رکھتے ہین

۷۔ شیخ فریدالدین عطار کہتے ہین کہ "جو لوگ تصوف کا دعوی کرتے ہین اور منصور پر اس قسم کے الزامات عائد کرتے ہین، وہ یقیناً رمز توحید سے واقف نہین"

تذکرۃ الاولیا مین ہے کہ "بغداد مین زنادقہ کی ایک جماعت تھی جو حلول اور اتحاد کی قائل تھی اور غلط فہمی سے اپنے کو "منصور" کا پیرو کہتی تھی۔

بعض کی رائے ہے کہ منصور حلاج کے علاوہ ایک اور منصور بھی تھا جو ملحد اور زندیق تھا

انا الحق

لفظ انا الحق کے متعلق جو منصور کے ذمہ سب سے زیادہ مہلک، سب سے زیادہ خطرناک الزام ہے شیخ عطار فرماتے ہین:۔

"تعجب ہے کہ درخت سے آواز "انا اللہ" آئے تو اس پر تعجب نہ کیا جائے منصور اگر "انا الحق" کہتا ہے تو ملزم ٹھہرتا ہے، حدیث مین ہے کہ "ان الحق لینطق علی لسان عمر" اس جگہ نہ تو حلول کی بحث پیدا ہوتی ہے اور نہ اتحاد کی لیکن "منصور" کی زبان پکڑی جاتی ہے، قتل کیا جاتا ہے، جلایا جاتا ہے، اسکی خاک برباد کی جاتی ہے۔

قرآن حکیم مین موجود ہے "و فی انفسکم افلا تبصرون" خدا کے عشق کا جلوہ کہان نہین؟ عالم صغیر (انسان) مین بھی ہے، عالم کبیر (ہستی) مین بھی، پھر علمائے ظاہر اس کے متعلق کیا کہتے ہین؟

اس کے علاوہ اس لفظ پر ایک مختصر بحث اور بھی ہے، جو تفصیل کے ساتھ ایک مضمون مین شایع ہو چکی ہے۔

مرکب "انا الحق" مین لفظ "حق" اسم صفت ہے اسم ذات نہین، پس اگر کوئی شخص کہے کہ مین سراپائے حق ہون ازسرتاسر راستی ہون تو کیا قباحت لازم آتی ہے؟ اسی سلسلے مین پھر بھی پیش نظر رکھ لینا چاہیے کہ قرآن حکیم مین حضور سرورِ کائنات

کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ "ما ینطق عن الھویٰ.... وحی یوحی"
خود حضرت جبرئیل کی زبانی پیام "انا ربکم الاعلیٰ" کی بابت کسی نے حامل وحی یا رسول اللہ صلعم پر ادعائے ربوبیت کا الزام نہین لگایا۔
ابو عبد اللہ خفیف نے صاف صاف کہا ہے کہ "منصور" عالم ربانی تھا، حضرت شبلی نے کہا ہے کہ "مین اور منصور دونون ایک چیز ہین، مین دیوانہ بنکر چھوٹ گیا، منصور کو دعویٰ عقل نے برباد کردیا"
حضرت امام غزالی اور مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہم نے بزور الفاظ مین "منصور" کی حمایت اور تائید کی ہے۔

حالات

منصور حلاج" نواح ایران کا رہنے والا تھا، دوسرا منصور بغداد کا رہنے والا "محمد زکریا" کا استاد، اور ابو سعید قرمطی کا دوست اور مشیر تھا، اس کے دھوکے مین منصور حلاج کو لوگون نے بے دلیل کافر اور ساحر کہا ہے۔ منصور حلاج کے حالات دیکھو اور واقعات سنو پھر اپنے دل سے سوال کرو دیکھو وہ کیا کہتا ہے ؟

"منصور" سترہ سال کی عمر سے پہلے سہل بن عبد اللہ کی خدمت مین دو برس رہ کر ۱۸ سال کی عمر مین عازم بغداد ہوا، بغداد سے بصرہ آیا، یہان ۱۸ مہینہ تک عمرو بن عثمان مشہور عالم اور صوفی کی خدمت مین رہا۔ یعقوب اقطع مشہور بزرگ نے اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کر دیا، اس اثنا مین عمرو بن عثمان اس سے ناخوش ہوگئے، اس لئے وہ بغداد چلا آیا، بغداد سے مکہ معظمہ گیا وہان مدت تک رہا، مکہ سے پھر بغداد آیا اور ایک روز حضرت جنید کی خدمت مین حاضر ہوا اور چند سوالات کئے، حضرت جنید نے کچھ جواب ندیا اور کہا کہ "وہ زمانہ قریب ہے جب تم سولی کے تختے کو سرخرو کروگے"

منصور نے کہا "درست ہے! مین جس روز سولی کے تختے کو سرخرو کرونگا، تم اہل ظاہر کے لباس مین ملبوس ہوگے" چنانچہ ایسا ہی ہوا جب ائمہ شریعت نے منصور کے قتل کا فتویٰ صادر کیا، جنید نے اسوقت تک فتوے پر دستخط نہ کئے جب تک جامہ تصوف مین تھے، لیکن جیسے ہی مدرسہ مین آئے لکھدیا "نحن نحکم بالظاھر" ہم (علمائے شریعت) ظاہر حال پر فتویٰ صادر کرتے ہین، منصور کا ظاہر یہ ہے کہ وہ واجب القتل ہے باطن کا حال خدا جانتا ہے"

"منصور" نے اپنے سوالون کا جواب نہ پایا تو وہ خلوت نشین ہوگیا، اس حال مین ایک سال تک رہا اس درمیان مین اسکی شہرت مقبول عام ہوگئی، اس چیز نے اس کو ہمعصرون مین محسود بنا دیا، پھر خلوت راز سے باہر آیا اور مختلف مقامات کا سفر کیا وہ جہان کہین جاتا معتقدون کی بھیڑ لگجاتی

مکہ پہونچا تو یعقوب نہرجوری نے اس کی بابت سحر کا فتویٰ دیا۔

مکہ سے بصرہ اور بصرہ سے اہواز آیا، اہواز سے ہندوستان، ہندوستان سے چین پہونچا، ہر جگہ تبلیغ و اشاعت کرتا رہا، اہل چین کے لئے اس نے کتابین لکھین۔ ہر ملک نے اس کو جداگانہ خطاب دیا:۔

اہل ہند ابو المغیث، اہل چین ابو المعین، اہل خراسان ابو مہر، اہل فارس ابو عبد اللہ، اہل خوزستان، حلاج الاسرار،

اہل بغداد مصطلم - اور اہل بصرہ مجز کہتے تھے۔

وہ پھر مکہ آیا اور دو سال تک حرم کا مجاور رہا، وہان سے آنے کے بعد اس مین تغیر عظیم پیدا ہو گیا، وہ ایسے الفاظ کہتا تھا کہ عام طور پر اس کے معنی سمجھ مین نہ آتے تھے۔ اسی حال مین وہ شہر بدر کیا گیا: ؎

کعبہ مین جان بہ لب تھے ہم دوری بتان سے (میر) آئے ہین پھر کے یارو ابکی خدا کے یان سے

مشہور ہے کہ وہ رات دن مین روزانہ چار سو رکعتین (نماز کی) التزاماً پڑھتا تھا ؎

آدمی دہر مین یا خانۂ داور مین رہے (کامل) سر رہے دوست کے سجدے مین کسی گھر مین رہے

(اسرار منصور)

کسی نے منصور سے پوچھا کہ "تم اس درجۂ اعظم پر ہو کر رنج و بلا مین کیون گرفتار ہو"؟ اس نے جواب دیا کہ "رنج اور راحت کا کچھ اعتبار نہین کیونکہ یہ دونون فانی ہین ؎

اسیر زلف کرے قیدی کمند کرے (امیر) پسند اس کی ہے وہ جس طرح پسند کرے

منصور نے ایک روز بیان کیا کہ "مین نے پچاس سال کی عمر سے پہلے کوئی مذہب اختیار نہ کیا، البتہ تمام مذاہب مین جو جو سخت سے سخت تھی اختیار کی، پچاسوان سال شروع ہوا تو نماز ادا کرنے لگا کوئی نماز بغیر غسل نہین پڑھتا ؎

آداب جنون چاہئے ہمسے کوئی سیکھے دیکھا ہے بہت یارون نے آشفتہ سرون کو

"عرفات" مین لوگ جمع ہین، الحاح اور زاری سے عبادت و دعا مین مشغول ہین، منصور، آتا ہے اور خاموش بیٹھ جاتا ہے، حاضرین سے میدان خالی ہو جاتا ہے تو سر بسجود ہو کر کہتا ہے

اے میرے بادشاہ! اے عزت دینے والے تو تمام تسبیح کرنے والون کی تسبیح اور تہلیل کرنے والون کی تہلیل سے پاک اور برتر ہے، تو جانتا ہے کہ مین تیرا شکر ادا کرنے سے عاجز ہون، حقیقی شکر گزاری یہی ہے کہ تو میری طرف سے اپنا شکر ادا کر

یارو خصوصیت تو رہے اپنی اس کے ساتھ (میر) میرا کہو جو حال تو اس سے جدا کہو

ایک روز جنگل مین گزرا، ابراہیم خواص کو دیکھا بیٹھے ہوئے ہین، پوچھا "کیا کر رہے ہو"؟ جواب دیا "مقام توکل مین لباس توکل درست کر رہا ہون" منصور نے کہا "چہ خوش، عمر بھر تو پیٹ کو آباد کیا اس پر دعوائے توکل ہے! کجا شکم پری اور کجا توکل اور توحید" حالانکہ عشق و محبت مین کھانا پینا اس کا نام ہے :-

لو ہو اپنا پیتا ہون تلوار ہین اس کی کھاتا ہون (میر)

کسی نے پوچھا کہ "خدا تک رسائی کی منزل کتنی دور ہے؟"

جواب ملا "صرف دو قدم، ایک قدم دنیا سے اُٹھاؤ دوسرا عقبیٰ سے، بس پہونچ گئے"

دل ہی کو وہ دل مین ہے موجود آنکھ بیتاب نارسائی ہے (کیفی)

کسی نے سوال کیا "فقیر" کیا چیز ہے"؟ جواب دیا "فقیر وہ ہے جو غیر اللہ سے مستغنی اور اللہ کا ناظر اور طالب ہو"

جب سوائے خدا نہین موجود اور ہستی کی شکل کیا کہئے (کیفی)

حقیقت معرفت کا سوال کیا گیا تو اس کے جواب مین کہا کہ:-

"معرفت کے معنی یہ ہین کہ ہستی کی تمام اشیا دیکھی جائین لیکن حقیقتاً" فانی سمجھی جائین"

پھر کہا کہ "بندہ جب مقام معرفت مین پہونچ جاتا ہے، غیب سے اس پر نزولِ وحی ہوتا ہے جو زبانِ اسرار کو گنگ کر دیتا ہے تا کہ اس کے خیال مین غیر حق اور کوئی چیز باقی نہ رہ جائے"

خاموش رہ سکے نہ تو بڑھ کر بھی کچھ نہ پوچھ سر شمع کا کٹے ہے زبانِ و راز سے

یعنی: ع بکام ماست اگر او زبان بجنباند

ایک بار کہا کہ:-

"خلقِ عظیم" کی تعریف یہ ہے کہ کسی کی جفا کا اثر دل قبول نہ کرے" کیونکہ جس دل مین "حق" جلوہ گر ہے اس کو اس کی فرصت کہان؟"

غیرون کا ساتھ موجب صد وہم ہے بتو! اس امر مین خدا بھی کہے تو نہ مانئے (میر)

کہا کہ زبان گویا، خموشی دل کے لئے ہلاکت کا نام ہے، پھر کہا کہ:-

"اسباب و علل کے متعلق گفتگو کرنے سے زبان پر مہر خموشی لگا دی گئی ہے، افعال کی نسبت کچھ کہنا "شرک" ہے "حق" ان دونون سے منزہ اور مُبرا ہے، قرآن مین ارشاد باری ہے "و ما یومن اکثرھم باللہ وھم مشرکون"

مدارِ صحبتِ ما بر حدیثِ زیر لبی ست کہ اہلِ ہوش عوامند و گفتگو عربی ست

ایک استفسار کے جواب مین کہا کہ :-

دیکھنے والون کی آنکھین، عارفون کی معارف، علمائے ربانی کے انوار علم وہدایت سابقانِ ناجی کے طریقے، ازلی اور ابد اور جو کچھ اس کے درمیان ہے معرضِ حدوث مین ہین، لیکن اس کو کون جانتا ہے؟ وہی جس کے متعلق ارشاد ہوا ہے: "لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید"

ایک شخص کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ "ہم طالبان حق اس کے امتحان اور آزمایش کی تلاش مین اسی طرح رہتے ہین جیسے بادشاہ "ملکِ جدید" کی طلب مین رہتا ہے ؎

دنیا کی قدر کیا جو طلبگار ہو کوئی کچھ چیز مال ہو تو خریدار ہو کوئی

ایک بار کہا کہ :-

"انسان کا وقت صدف، سینہ دریا ہے، قیامت کے دن یہ صدف زمین پر پٹک دی جائیگی"

ایک سوال کے جواب مین کہا کہ :-

"ترک دنیا زہد نفس، ترکِ آخرت زہد دل اور ترک خودی زہد جان ہے" ؎

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا خود بخود آزاد بودی، خود گرفتار آمدی

کسی نے پوچھا صبر کس چیز کا نام ہے؟ جواب دیا "سر کا کٹا دینا، ہاتھ پانون کا جسم سے علیحدہ کرا دینا اور سولی پر لٹک جانا"

عشق معراج سر بلند یہاست سرِ عاشق بدار می آید (حزین)

ایک روز منصور نے شبلی سے کہا کہ "اے ابوبکر مین نے اہم کام کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے اس مین خوشی سے سر کٹوا دونگا" اس کے بعد واقعات قتل کی ابتدا ہو گی ؎

بجرم عشقِ توام میکشند و غوغا ئیست تو نیز بر سرِ بام آکہ خوش تماشا ئیست

جب معتقدون اور حلقہ بگوشون کی کثرت شروع ہوگئی، اور منصور کا اثر دلون مین اور اس کی تعظیم زبانون پر جلوہ گر ہوئی تو وہ سب کچھ ہونے لگا جو ایسے وقت ہوا کرتا ہے۔

عاشق کا غماز آنسو بھی ہوتا ہے اور رنگِ زرد بھی، چہرے کی خشکی بھی راز فاش کرتی ہے اور آہِ سرد بھی، یہ سب چیزیں اقلیم عشق میں مہلک جرم ہیں جو کبھی معاف نہیں کیا جاتا ؎

ہشیار کہ ہے راہ محبت کی خطرناک مارے گئے ہیں لوگ بہت بیخبری سے (میر)

"منصور" جب منصور نہ رہا تو کہنے والوں نے اس پر الزام لگائے، خلیفہ وقت سے شکایت کی مفتی شریعت نے فتوی دیا کہ "بگیر و بکش" قضاد قدر نے تسلیم کیا، سرہنگانِ عقوبت نے موافقت کی، مادی دنیا کی ہوا خلاف ہوگئی، بحر انتقام میں طوفان آگیا کہ ایک ذرہ آفتاب صورت، ایک قطرہ بحر نما کو بہا لیجائے :؎

خسرو غریب خستہ را خون ریختن فرمودہ است خلقے بمنت یکطرف آن شوخ تنہا یکطرف (خسرو)

کسی نے کہا "منصور انا الحق" چھوڑکر "ہو الحق" کہہ" جواب دیا :-

"وہی سب کچھ ہے، ہو الحق کے معنی یہ ہیں کہ وہ گم ہے منصور موجود ہے انا الحق" کے معنی ہیں کہ وہ موجود ہے منصور گم ہے، کیونکہ وہ دریا ہے اور میں قطرہ، دریا کبھی گم نہیں ہوتا" ؎

لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو کیا جانئے جان ہے کہ تن ہے (میر)

سبحان اللہ عما یشرکون :-

ہوش تھا جب تھی جستجو اُن کی مل گئے وہ تو کھو گیا ہوں میں (کیفی)

(آغاز امتحان)

غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق صد منزل است و منزل اول قیامتست (عرفی)

کسی نے حضرت جنید سے کہا کہ "منصور" جو کچھ کہتا ہے اس کی تاویل ہو سکتی ہے" جنید نے کہا کہ "اہل ظاہر تاویل نہیں دیکھتے پانی سر سے گزر چکا ہے"

قطع ہوتا ہے کفن اے انتہائے طول عمر ٹھیک اب تن پر نہیں شاید قبائے زندگی (کیفی)

کہنے والوں نے معتصم سے کہا، اس کے وزیر علی بن یحییٰ نے بھڑکایا، حکم ہوا کہ "منصور" کو قید میں ڈال دو ؎

روح آزاد ہے خیال آزاد جسم حسرت کی قید ہے بیکار (حسرت)

سرگزشتِ زندان

دے پھڑکنے کی اجازت صیاد شب اول ہے گرفتاری کی

قید کی پہلی رات وہ "زندان" میں نظر نہ آیا، دوسرے روز زندان بھی نظروں سے غائب تھا، تیسرے روز دونوں کو موجود پایا، لوگوں نے پوچھا "پہلی رات تم کہاں تھے؟ جواب دیا اپنے مطلوب کے حضور میں، دوسرے روز مطلوب میرے پاس تھا اسلئے

نہ مین تھا اور نہ زندان:-ع

نکلے جو خورشید تو شبنم کہان ؟

تیسرے روز حکم ہوا کہ "جاؤ اور حکم شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کرو" اس لئے مین واپس آگیا، مفتیانِ شریعت کو جو کچھ کرنا ہے شوق سے کر ڈالین ع

حاش للہ گل کند بوی شکایت از لبم ما وفاداری باآن نامہربان بسپردہ ایم (حزین)

"منصور" زندان مین روزانہ ایک ہزار رکعتین نماز ادا کرتا تھا، کسی نے پوچھا کہ "جب تم خود "حق" ہو تو نماز کس کی ادا کرتے ہو؟ جواب دیا "مین اپنی قدر خود جانتا ہون ع

اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل مین کوچۂ رقیب مین بھی سر کے بل گیا (مومن)

زنجیر آزمائش کی دوسری کڑی

مفتیانِ شریعت نے اس زرِ خالص کو تاؤ دینے کے لئے حکم دیا کہ "اس کو اتنے کوڑے لگائے جائین کہ اپنے قول سے پھر جائے" ع

دوستان در صفِ ہنگامۂ مر گم جمعند کاش آن دشمنِ جان ہم بتماشا برسد

کہا جاتا ہے کہ تین سو ساٹھ کوڑے لگائے گئے، لیکن اس ترشی نے نشہ اور تیز کر دیا:-ع

کھویا گیا اس مین گو دل اپنا پر یار تجھے تو پا گئے ہم (میر حسن)

مشہور ہے کہ ہر کوڑے کے ساتھ آواز آتی تھی "منصور خوف نہ کرنا ہم تیرے پاس ہین" سبحان اللہ! اس ناز نیاز کا کیا کہنے:-ع

بچہ ناز رفتہ باشد زجہان نیازمندے کہ بوقتِ جان سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

اللہ! اللہ!! عاشق کی نیازمندی اس دلدہی پر اس کے سوا کیا کہہ سکتی ہے؟

آپ پچتائین نہین جو اسے توبہ نہ کرین آپ گھبرائین نہین داغ کا حال اچھا ہے (داغ)

عاشق کا سرمایۂ ایمان اور متاعِ دل و جان تو صرف اس لئے ہے کہ معشوق کے راہِ طلب و رضا مین نثار کر دئے جائین:-ع

سرد سامان نثارِ تو کدام ست مرا در کفم چیست بگو جان ز تو ایمان از تو (حزین)

عبد الجلیل صفار بیان کرتے ہین کہ "مجھ کو اس آواز پر اتنا تعجب نہ تھا جتنا اس پر تھا کہ آواز سننے والے اجرائے احکام شرعیہ کے مقابلہ مین اس سے بالکل متاثر اور مرعوب نہ ہوئے:-ع

کہ بی حکم شرع آب خوردن خطاست وگر خون بہ فتوی بریزی رواست (سعدی)

آزمائش کی تیسری کڑی

اب "منصور" کو سولی دینے کے لئے کشان کشان لیجا رہے ہین، اس طرف قطرہ دریا مین ملجانے کے لئے بیتاب ہے۔

ایک درویش نے پوچھا "عشق کی حقیقت کیا ہے"؟ منصور نے کہا "آج، کل، پرسون تم خود دیکھ لوگے"، چنانچہ پہلے روز

اسکو سولی دیگئی دوسرے روز اسکی لاش جلائی گئی، تیسرے روز خاک بھی برباد کردیگئی:۔

اور عاشق مزاج ہے کوئی درد کا قصہ مختصر دیکھا؟ (میر درد)

"منصور" کے خادم نے درخواست کی کہ "مجھے کچھ وصیت کیجئے" کہا "اپنے دل کو ایسے کام مین لگاؤ جو کرنے کے قابل ہو، ورنہ تمھارا دل اس کام مین تمکو لگا دیگا جو کرنے کے قابل نہین" اس کے بیٹے نے پوچھا "میرے لئے کیا وصیت ہے" کہا "علم حقیقت حاصل کرو، ہستی کے کوئی چیز اس کے پاسنگ بھی نہین"

یہ کہا اور دار کی طرف اکڑتا، تمنتا، بل کھاتا ہوا چلا، لوگون نے پوچھا کہ یہ انداز کیون ہے؟ جواب دیا "قربان گاہ کی طرف جارہا ہون" آج عاشق کی عید ہے، معشوق گلے ملنے کے لئے طیار ہے:۔

کیا حقیقت کہون کہ کیا ہے عشق حق شناسون کا ہان خدا ہے عشق
کون مقصد کو عشق بن پہونچا آرزو عشق مدعا ہے عشق (میر)

راہ مین شبلی نے پوچھا کہ "تصوف کیا ہے" جواب دیا "اس کا کمترین حصہ یہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو" پوچھا "بلند ترین کیا ہے؟ کہا "تم اس کو سمجھ نہین سکتے:۔

دونون عالم سے کچھ پھری ہے نظر آہ کس کا دل و دماغ ہون مین (میر درد)

اثنائے راہ مین ہر طرف سے پتھرون کی بارش ہو رہی تھی لیکن زبان سے آہ بھی نہ نکلی، کیونکہ دل لذتِ عشق سے بیخود ہوکر "واہ" مین مشغول تھا:۔

نالیدن بلبل ز نو آموزیٔ عشقست ہرگز نشنیدیم ز پروانہ صدائے (حزین)

"جلاد" نے ہاتھ کاٹ ڈالے، منصور ہنس دیا، لوگون نے پوچھا "منصور" یہ وقت رونے کا ہے یا ہنسنے کا؟ جواب دیا "خوش ہون کہ صفات سے آزاد ہو رہا ہون" ہاتھ بھی ذات کے لئے صفت ہین:۔

من این دستے کہ افشاندم ز کونین بداماںِ تمنائے تو باشد (حزین)

اس کے دونون پاؤن بھی کاٹ ڈالے گئے" اس پر منصور مسکرایا" لوگون نے مسکراتے کا سبب پوچھا" کہا" ان پانون سے مین نے جہان گردی کی تھی، جب وہ جدا ہو گئے تو سفر کو نین کرونگا"

یہ کہکر اس نے کٹے ہوے ہاتھ کے نکلے ہوے خون سے چہرہ اور بازو آلودہ کرلیا، لوگون نے پوچھا "اس کے کیا معنے ہین" جواب دیا کہ "مین نے خیال کیا کہ میرے چہرے پر زردی کا اثر ہوگا، میرا زرد رو جانا درست نہین، اخون چہرے پر اس لئے مل لیا کہ تمھاری نظرون مین سرخرو رہون، تمام بازو مین خون ملنے کا سبب یہ ہے کہ مین جو نماز ادا کرنا چاہتا ہون، وہ اس وضو کے بغیر ادا نہین ہوسکتی ہے؂

نمازِ عاشقان بر دار بینم

اب آنکھین بھی نکال لی گئین، دیکھنے والے چیخین مار کر روئے، متبعین شریعت نے سنگ باری بھی کی

زبان کاٹنے کا حکم ہوا، اس نے کہا ٹھیرو مجھے ایک بات کہہ لینے دو۔ چنانچہ اس نے یہ آیت پڑھی۔

یستعجل بہا الذین لا یومنون بہا والذین اٰمنوا مشفقون منہا ویعلمون انہا الحق۔

یہ الفاظ ختم ہوئے تھے کہ زبان بھی کاٹ لیگئی

آخری کڑی

اسکے بعد سر کاٹا گیا، لاش جلائی گئی، اور خاک برباد کردیگئی بیکسی زبانِ حال سے کہہ رہی تھی ؎

زدی، بستی، شکستی، سوختی از روے انگندی
جوابت چیست فردائے قیامت دادخواہان را

غیرت عشق نے آواز دی "خاموش" ؎

باعشق تو زادم من و با درد تو مردم
با مہر تو در خاک روم رلیتم انیست

خاک کا ہر ذرۂ خون آلودہ، خون کا ہر قطرۂ نورانی حق، حق، حق انا الحق، کہتا تھا۔ یعنے ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جسکو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہان؟

کہا جاتا ہے کہ اس کی خاک دجلے مین بہا دیگئی: ؎

صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک
(آتش سکندرپوری)

بربادی کے بعد

شبلی اسی رات کو منصور کی قبر پر گئے، وہین تریب نماز پڑھی، صبح کو توبہ و استغفار مین مشغول ہوے، فارغ ہو کر عرض کی، خدایا منصور ترا موحد تھا تیری محبت مین یکتا تھا پھر اتنی بڑی مصیبت اس پر کیون ڈالی؟ ہاتف غیب نے جواب دیا "راز فاش کرنے کی سزا ہوتی ہے"

فلسفہ منصور

"منصور" نے انا الحق" نہین کہا بلکہ اسنے کہا جو اسکے رگ و پے مین جلوہ گر تھا "منصور" اس فلسفہ کا قائل تھا کہ دو چیزین ایک وقت مین ایک جگہ جمع نہین ہوتین، پس جب "وہ" تھا تو منصور کا وجود کیسا؟

پھر یہ کہ "منصور نے کیف دل" زبان سے بیان کرنا چاہا جو ناممکن ہے پس اس چیز نے اسکو ذریعہ ہلاکت مین ڈالدیا، وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا اس کے لئے الفاظ، نہ ملے، جو الفاظ مل سکے وہ تھے جو تو تعزیرات شریعت، کے دفعات مین آئے تھے۔

کسی نے قتل کے بعد منصور کو خواب مین دیکھا پوچھا "کیا حال ہے؟ تمھارے قاتلون کے بابت خدا نے کیا فیصلہ کیا؟ کہا جس نے میرے ساتھ مہربانی کی اس پر بھی اور جن لوگون نے قتل کیا ان پر بھی خدا نے رحمت نازل کی کہ دونون ایک شان رکھتے ہین: ؎

خوبان ہمہ در قتل من خستہ شریک اند
تا خون مرا رنگ بدامانِ کہ باشد

کیفی چریا کوٹی

باہیہ خانم

فروری کا آخر تھا اور مارچ کی ابتدا دشت شہرزور کے اُفق پر کوہ اورامان کی برف پوش چوٹیاں بادل اور کہر کی تاریکی مین مستور تھین بلکہ ابابیلہ[1] اور عنب کی آبادی بھی جو چند فرسخ کی دوری پر واقع تھی مع اپنے انارون اور سیبون کے باغون کی اسوقت کی تاریکی مین ملفوف تھے اور فطرت کی دلچسپیون کا مطالعہ کرنے کے لئے کوئی ذریعہ نہ رہگیا تھا سوا اس کے کہ آتش دان کے سامنے معتکف ہوکر ڈارون کی نظریۂ ارتقاء کا مطالعہ اپنے ملازم حسن بغدادی کے شمائل و سیرت مین کرون اس کی غیر معمولی بلند ناک اسوقت آرام دہ حرارت کے اثر سے اس کے گھٹنون پر ٹک چکی تھی اور بہ بانگ دہل "ہر کہ در افتاد بر افتاد" کا اعلان کر رہی تھی کہ دفعتہً زینے کے نیچے سے کسی کی نرم و شیرین آواز نے "یا غوث" کہکر ہم دونون کو چونکا دیا۔ حسن نے اپنا سر اوٹھایا۔ اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھون کی پتلیون کو ادہر ادہر پھرایا اور پھر یکایک اپنے غیر معمولی قوت شامہ کی مدد سے اس تلاش مین نکل گئے کہ اس وقت تاریکی مین کون آفت زدہ ہماری پناہ مین آیا ہے۔ انکے ننگے پیرون کی آواز زینے کی انتہا پر جاکر ابھی ختم نہوئی تھی کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا قبیلہ بنی کلب کے بعض افراد مین اختلاف آرا پڑ گیا ہے دس منٹ کے اضطرار و انتظار کے بعد حسن کے پیرون کی چاپ سنائی دی۔ کمرے کا دروازہ زور سے کھلا اور ایک ہی وقت مین حسن کی ناک اُسکا مختصر کاسۂ سر۔ اُسکے ٹیڑھے میڑھے ہاتھ پانون اور انکا ہلکا پھلکا بدن کمرے کے اندر داخل ہوا حسن کے دونون رخسار انکے کان کی طرف کھنچے جارہے تھے۔ بالکل اسی طرح سے جیسے کسی جوہڑ مین اینٹ پھینکنے سے پانی کی لہرین پھیلکر کنارے آلگتی ہین اُس کے پیچھے ایک ہلکا کانپتا ہوا پھٹے کثیف کپڑون کا ایک بنڈل بھی داخل ہوا جس کو دیکھ کر حسن کی چھوٹی آنکھین چمک رہی تھین

یہ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ پھیکا سفید رنگ۔ نیلی بے نور آنکھین اور خاک آلود بھورے بال لاغر جسم جس پر سختی روزگار کے تمام خطوط نمایان تھے۔ لڑکی کا سارا جسم کانپ رہا تھا اور انکے بھیگے کپڑون سے جو پیہم تقاطر ہو رہا تھا اسنے میرے فرش پر ایک دائرہ بنا دیا تھا۔ حسن نے فوراً سماوار سے چار نکال کر لڑکی کو دی اسنے لپک کر اسکو اپنے منہ سے لگا لیا اور دو گھونٹ مین ساری پیالی ختم کردی۔ جب لڑکی ذرا حواس مین آئی۔ تو مین نے پوچھا کہ۔

خوشگلم (یعنی خواہر من) تم بھیک کیون مانگتی ہو۔ اگر تم چاہو تو میرے یہان نوکری کرسکتی ہو۔ مین نے اس سوال کو

---

[1] حلبچہ کے مضافات مین دو گانون ہین۔ جو اپنے منظر کے لئے مشہور ہین ابابیلہ دراصل ابا عبیدہ کی کردی مسخ صورت ہے۔ کہتے ہین کہ ابو عبیدہ اس گانون مین شہید ہوئے تھے۔ اور اب ایک مزار مرجع اکراد ہے

قصداً اسلئے اٹھایا تھا کہ میرے ملازم حسن کو جنھیں کرد لوگ عام طور سے حسن عنتیکہ (یعنی عجائب خانے مین رکھے جانے کے قابل حسن) کہتے تھے کچھ دنون سے خانہ آبادی کا دلولہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور مجھے برابر ترک ملازمت کا نوٹس دیتے رہتے تھے مین نے خیال کیا کہ شاید لڑکی میری اس مشکل کا حل ہوجائے اور مین حسن بغدادی کا گھر بسا سکون۔ لڑکی نے نوکری کرنا قبول کر لی۔ اور تھوڑے دنون کے بعد جب مجھے معلوم ہوا کہ باہیہ خانم حسن آفندی کو میری نظر سے نہین دیکھتین تو مین نے اپنے دوست قاضی حسام الدین علی کو بلا کر حسن و باہیہ خانم کو میان بیوی بنا دیا۔

(۳)

اس خانہ آبادی کو مشکل سے دو مہینہ ہوئے ہونگے کہ بغاوت کردستان کی چنگاریان دشت شیرزور مین مشتعل ہوگئین مین گرفتار ہوا۔ لوٹا گیا۔ اور تقریباً پانچ ماہ تک حیات و موت کے درمیان امید و بیم کی زندگی گزاری۔ جب بغاوت فرو ہوئی اور امن و امان قائم ہوا تو مجھے اپنے ملازم و ملازمہ کی جستجو ہوئی۔ معلوم ہوا کہ وہ دونون میری گرفتاری کے بعد ہی کسی نہ کسی طرح روپوش ہوگئے اور پھر یہودیون کے ایک قافلہ کے ساتھ شیروان کے گھاٹیون کی راہ سے مخالفین بھاگ گئے۔ عرصہ کے بعد جب مین کردستان کے سیاسی مہم کے بعد بغداد کو واپس ہوا تو ایک شام میری طبیعت بہت گھبرائی جی مین آیا کہ کسی رقص خانہ مین جاکر دل بہلاؤن۔ خلیل پاشا جادہ سی کے سرے پر یہودیون کا ایک رقص خانہ حال ہی مین قایم ہوا تھا اور اس مین ایک گانے والی لڑکی کی خاص شہرت تھی۔ میرے آنے سے تھوڑی دیر پہلے لڑکی کا ناچ شروع ہوچکا تھا۔ لڑکی طاہر ہمدانی کی غزل کو کردی لب و لہجہ سے گا رہی تھی۔ مین بالکل اسٹیج کے نیچے اول صف مین بیٹھا ہوا تھا کہ غزل کے آخر پر لڑکی نے ایک کردی رقص کیا۔ حاضرین سے پرجوش داد کا ہنگامہ بلند ہوا اور لڑکی کو پھر اسٹیج پر واپس آنا پڑا۔ اور عربہ کے دستور کے مطابق چھوٹے مگر قیمتی سکے بعض شائقین نے اسپر نچھاور کئے۔ لڑکی گھوم کر میری طرف آئی۔ میری جیب مین اسوقت چند پیسے اور اکنیان تھین۔ میری دریادلی بھی جوش مین آئی اور بقول ہندوستانی اور خصوصاً وہ جنکا تعلق فوج سے ہوتا تھا۔ اپنی سخاوت کے لئے بغداد مین کافی شہرت رکھتے تھے۔ لڑکی نے میرے عطیہ پر حسن ظن سے کام لیا اور پاس آکر ان سکون کو چننے لگی۔ اتفاق سے سب سے پہلے اسکے ہاتھ دو پیسے لگے۔ پہلے سمجھی کہ گنیان ہین۔ روشنی مین اسکو غور سے دیکھا اور پھر مجھے سر سے پیر تک۔ مین نے بھی روشنی کی مدد سے اسکو قریب سے دیکھا اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ہم دونون ایک دوسرے کو پہچانتے ہین۔ وہ مسکرا کر پیچھے ہٹی اور پھر اپنے کردی لہجے مین ہندوستانیون کی برائی کے وہ عربی مصرعے جو بغداد کے ہر بازاری لڑکے کی زبان پر رہتے ہیں گانا شروع کیا۔

ہندی بابا بطال، اکال الہندی و الدال (ہندی بابا کاہل، دال اور بھنڈی کا کھانے والا) وغیرہ

اسی کے ساتھ وہ میرے دونون پیسون کو دونون ہاتھ مین لیکر میری طرف شوخی و شرارت سے اشارہ کرتی۔ اور پھر قہقہہ لگاتی اور رقص کرتی۔ اور مجلس مین ہنگامہ برپا ہوتا۔ مین سمجھ گیا کہ یہ کون لڑکی ہے مین سر جھکائے خاموش آخری ڈراپ سین تک بیٹھا رہا اور تماشے کے ختم کے بعد مین نے اسٹیج منیجر کو بلا کر کان مین کہا کہ مین اس رقاصہ سے ملنا چاہتا ہون۔ جس نے مجھے ایسا شرمندہ کیا ہے

تاکہ مین اسکی تلافی کرسکون - تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے آکر کہا کہ اٹھئے - رقاصہ کو خود آپکی ملاقات کا اشتیاق ہے - اور وہ آپکو پہلے سے جانتی ہے - غالبًا اس کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ مین اپنی پرانی خادمہ باہیہ خانم کے سامنے کھڑا تھا - اور اس کایا پلٹ پر حیرت زدہ تھا

"باہیہ خانم"! مین نے مستعجبانہ لہجے مین کہا "مین خواب تو نہین دیکھ رہا ہون - اس پر مجھے تعجب نہین کہ تم ایسی حسین وجمیل کیون ہو گئی، جس حالت نے تمہاری فطری قومی خوبیون کو مٹانے کی کوشش کی تھی - اسکے بالکل متضاد حالت نے اسکے بڑھانے مین البتہ مدد کی - مگر مین یہ نہ جانتا تھا کہ تمہارا میلان اس فن کی طرف تھا - اور اس مشکل فن کو تم اتنی جلد حاصل کرلوگی - خیر مین تمکو مبارکباد دیتا ہون - خوش رہو - اور تمہارا شوہر حسن کہان ہے"

"حسن - حسن - کیا کہا میرا شوہر - لڑکی نے نہایت ترش لہجے سے کہا - آہ آفندی - اسکا نام نہ حسن ہے نہ وہ مسلمان ہے - اور میری بڑی توہین ہے کہ میرے معمولی بدصورت سارنگی نواز یہودی حزقیل کو میرے شوہر سے خطاب کیا جائے اسکے بعد لڑکی نے کہا یان آپ اپنے حسن عنقیکہ سے ضرور ملاقات کرینگے - حزقیل - حزقیل - کم بخت کہان گم ہو گیا معلوم ہوتا ہے آپکو اسنے اسٹیج پر سے دیکھ لیا اور غائب ہو گیا - کیا افندی - آپ نے کبھی کسی مسلمان کی بھی ایسی ناک دیکھی ہے - ہان بھول گئی آپ ہندی ہین - عرب کا معمولی بچہ بھی اس ناک سے دہوکا نہ کھاتا -

مگر خیر - اب اسکی مجال نہین کہ میری طرف نظر اٹھا کر دیکھے - اور مین اپنی اس حالت سے خوش ہون - گو رد سیاہ ہون مگر مین جانتی ہون کہ اسکی ذمہ داری مجھ پر نہین بلکہ آپ پر ہے یا آپکے قاضی صاحب پر - مین نے کہا خانم - یہ تم نے عجیب بات کہی کہ یہودی قوم ایک مخصوص وضع کی ناک رکھتے ہین - کیا سعید آفندی کی ناک اس سے بڑی اور لال نہ تھی مگر وہ کروی تھا اصیل اور اگر مین بالفرض نادانستہ گناہ کا ملزم ٹھہر سکتا ہون تو ہمارے قاضی علی حسام الدین کا کیا قصور جنکی بزرگی و پارسائی مین شک کرنے والا کافر ہے - لڑکی قاضی کا نام سنتے ہی تلملا اٹھی نہایت سخت و مکروہ الفاظ ے کو یاد کیا اور بولی اب آپ مجھ سے سارا قصہ سن لیجئے - اگر سننا چاہتے ہین

(۵)

آفندم - میرا باپ کونی سنجاق کی طابور (رجمنٹ) کا امام تھا - اور اسی کونی سنجاق کے ضلع مین حسام الدین قاضی تھا مین خود اس سے پہلے سے واقف نہ تھی - اور مین نے اسکو پہلی بار اس روز دیکھا - جب وہ میرا نکاح پڑھانے آیا تھا اُسکے بعد جب وہ کبھی آپ سے ملنے آتا تو مجھے اسکے سامنے جاتے ہی بہت تردد ہوتا کیونکہ باوجودیکہ وہ سن مین میرے باپ سے بھی بڑا تھا - مگر اسکی نگاہیں بہت ہی مشتبہ تھین - ایکبار اسنے مجھے علیحدہ پایا - اور میرے باپ کا حال دریافت کرکے بولا کہ ارے تو میرے گود کی کھلائی ہوئی بچی ہے تیرا باپ میرا بڑا دوست تھا - بلکہ اُنکے مرنے کے بعد رجمنٹ کی کمپنی نے اسکے سارے ورثہ کی تقسیم میرے سپرد کردی تھی - وہ سارا مال میرے پاس امانت ہے - اب تم آفندی کے یہان کی نوکری چھوڑ کر میرے پاس آجاؤ تاکہ مین تیرے باپ کی امانت

تمکو پیر دکر دون - جب مین قاضی کے پاس گئی تو مجھ سے کہنے لگا کہ ۔ہاں اس شرط پر دیا جائیگا کہ تو اپنے خاوند سے طلاق لے لے - مین تیری شادی بہتر جگہ کرا دونگا - مین نے کہا قاضی - اگر تم حسن سے میری گلو خلاصی کرانے کا کوئی طریقہ بتا دو تو مین تمھاری بہت احسانمند ہونگی - مجھے اس سے خود نفرت ہے - مگر مین کیا کرون - افندی نے میرے اوپر بڑا ظلم کیا - اور اب ہمارے لئے اس سے خلاص پانے کی صورت شرعی حیثیت سے تو ممکن نہین - قاضی نے غور کیا اور کہا ایک صورت سمجھ مین آتی ہے - فتاوی برہانی مین تین سو ساٹھ کلمات کفر دیئے ہوئے ہیں جن میں سے ایک بھی اگر کوئی مسلمان کہدے تو وہ اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے - اور اسکی عورت اسکے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے - ہم لوگ ایسی مشکلات کو اسی طرح حل کیا کرتے ہین - اچھا تو کسی روز مین آؤنگا اور آفندی کے سامنے حسن سے ایک جملہ انھین کلمات مین سے کہلا دونگا وہ فوراً اسلام سے خارج ہو جائیگا - افسوس تو یہ ہے کہ اسلامی سلطنت نہین رہی - ورنہ اسکے بعد اسکا زندہ رہنا بھی ناجائز سمجھا جاتا - خیر - اس طلسمی کلمے کے منہ سے فوراً نکلتے ہی تم اسکے نکاح سے باہر ہو جاؤگی اور پھر تم میرے پاس آجانا - مین بڑی خوش ہوئی اور اس موقع کی انتظار مین رہی - مگر افسوس - اسکے بعد بغاوت برپا ہو گئی اور آپ اسیر ہو گئے - بغاوت کے دوسرے دن قاضی کا ایک آدمی آیا اور ہم دونون کو اپنے ساتھ بلا لے گیا - قاضی کے سامنے جیسے ہی ہم دونون پہونچے - قاضی نے اعلان کیا کہ حسن کافر ہے - اسواسطے کہ یہ شخص کفار کا ساتھ دیتا ہے -

حسن یہ سنتے ہی ایسا فرار ہوا کہ پھر اسکو شہر مین کسی نے نہ دیکھا - اور اب مین قاضی صاحب کی حفاظت مین آگئی - جب شب ہوئی تو میرے حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ قاضی صاحب باریش وبروت وجبہ و دستار میرے پاس آکر مجھ سے لپٹ گئے - مین چلائی بولے - بے وقوف چھوکری - تو تو میری [illegible] ہو چکی - کفار کے ہاتھ سے آئی ہے - اور ہم تجھ سے بغیر نکاح متمتع ہو سکتے ہین - ہماری شریعت مین نکاح کی ضرورت ہی نہین - تو میری لونڈی ہے - مین حسن سے زیادہ قاضی سے متنفر تھی - اور دو گھنٹے تک اس بدمعاش قاضی سے اپنی عصمت بچاتی رہی - آخر مین نے ایک لات اسکے منہ پر زور سے رسید کی - وہ الگ دور جا گرا اور مین کوٹھری کھولکر بھاگی - صبح کا وقت قریب تھا - راستے مین یہودی سوداگرون کا ایک قافلہ خانقین[۱] جانے والا مل گیا - مین نے دیکھا کہ اس مین میرا خاوند حسن بھی موجود ہے - مین بڑی خوش ہوئی - اور اسکے ہمراہ بغداد آئی - یہان آکر ایک نیا عقدہ کھلا -

قصہ مختصر یہ کہ اب مین اس حالت مین ہون جس مین آپ دیکھ رہے ہین - اب میرے سونے کا وقت آگیا ہے اگر ناوقت نہ ہوتا تو مین اپنی بغداد کی ساری سرگزشت سناتی - خیر پھر ملون گی - اسکے بعد مین رخصت ہو کر اپنے کلبہ حزن مین آگیا باہیہ خانم سے مین پھر نہ مل سکا کیونکہ دوسرے روز خود مجھے بغداد چھوڑ دینا پڑا -

«ابن السبیل»

۱؎ سرحد ایران و عراق پر ایک شہر ہے ۱۲

مصحفی وسودا کا تقابل

اور

مصنف آبحیات کی کج نگاہیان

اس سے قبل دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء کے نگار مین مصحفی اور میر کا موازنہ ہو چکا ہے۔ آج کی صحبت مین یہ دیکھنا ہے کہ سودا کا اثر ان پر کسقدر رہا۔ لیکن اس سے قبل یہ بات خود فیصلہ طلب ہے کہ مرزا سودا اردو شعرا مین کیا درجہ رکھتے ہین۔ اور ان کی شاعری کو کس قسم کی شاعری کہا جا سکتا ہے۔ شعر الہند کی پہلی جلد مین میر و مرزا کے عنوان سے ایک پورا باب تحریر کیا گیا ہے جس مین مختلف حوالون سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ میر تقی و مرزا سودا کے کارنامے کہان تک ایک دوسرے سے موافقت رکھتے ہین۔ اسکا ضروری اقتباس ہم ذیل مین درج کرتے ہین:-

"عام طور پر مشہور ہے اور اکثر تذکرہ نویس بھی اسکے ساتھ ہم آہنگ ہین کہ مرزا کو قصیدہ نگاری مین کمال ہے اور میر غزل گوئی مین اپنا جواب نہین رکھتے۔ اسکے ساتھ میر صاحب کو یہ منزلت بھی حاصل ہے کہ وہ مثنوی بھی بہت اچھی لکھتے ہین۔ اسلئے دونون کے راستے الگ الگ ہین۔

ان تصریحات سے قطع نظر کرکے دونون کے کلام پر نظر ڈالی جائے تو دونون مین کوئی نمایان فرق نظر نہ آئیگا قدما کے دور کے جو محاسن ہین وہ دونون مین مشترک طور پر پائے جاتے ہین۔ اسی طرح اس دور کے معائب بھی دونون کے یہان کم و بیش موجود ہین۔ جا بجا زبان فحش اور مبتذل ہے۔ کہین کہین سیک مضامین دونون باندھ جاتے ہین۔ شتر گربگی یعنی کلام کی ناہمواری دونون کے یہان پائی جاتی ہے۔ لیکن باوجود ان معائب کے غزل گوئی مین سودا کو میر سے اسلئے پست درجہ خیال کیا جاتا ہے کہ سودا کی غزلون مین تغزل کی اصلی روح یعنی سوز و گداز نہین اور ہمارے نزدیک اسکے مختلف اسباب ہین۔

(۱) - ایک تو اُن کی قومی خصوصیت جو اُن کی ہجو گوئی کا سبب ہوئی اسنے وہ عجز و تذلل نہین پیدا ہونے دیا جو مسکین میر کا شیوہ اور غزل کا اصلی عنصر ہے

(۲) - دوسرے یہ کہ وہ تغزل کے علاوہ اخلاقی مسائل کو لیتے ہین اور اُن کو تمثیل کے ذریعے سے ثابت کرتے ہین۔ بعض جگہ عاشقانہ مضامین مین بھی تمثیل رنگ سے کام لیتے ہین قدرت نے ان کی غزل گوئی کی تعریف مین سلیم و کلیم کا جونام

لیا ہے۔ اُسکی یہی وجہ ہے کہ یہ دونون تمثیلی رنگ مین اُستاد خیال کئے جاتے تھے۔ اور تمثیلی رنگ مین اگرچہ دعویٰ و دلیل کے تطابق سے دماغ بے شبہ متاثر ہو جاتا ہے لیکن جذبات و احساسات پر اسکا کوئی اثر نہین پڑتا

(۳) تیسرے یہ کہ اس زمانہ کی روش کے خلاف وہ جا بجا مضمون آفرینی اور خیال بندی بھی کر جاتے ہین۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس زمانے مین مغلق گو مشہور تھے

(۴) چوتھے یہ کہ داخلی پہلو کے ساتھ خارجی رنگ کو بھی لیتے ہین اور اکثر معشوق کے خط وخال کی بے اثر تعریف و توصیف کرتے ہین یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس رنگ مین کہنے والے ہین وہ شعرائے قدیم مین سودا ہی کا تتبع کرتے ہین

(۵) پانچوین یہ کہ اُن کا زور طبع اُن کو کسی ایک رنگ پر ٹھہرنے نہین دیتا۔ یہان تک کہ کبھی کبھی شاہ مبارک آبرو کے رنگ مین بھی کہہ جاتے ہین بعض غزلون مین جرأت و انشا کی روش اختیار کر لیتے ہین

(۶) چھٹے یہ کہ وہ نسبتاً میر سے مشکل زمینون مین غزلین کہتے ہین۔ اسلئے لازمی طور پر ان زمینون مین موثر اور دلآویز اشعار کم نکلتے ہین

(۷) ساتوین یہ کہ وہ میر کی طرح گوشہ نشین اور قناعت پسند نہ تھے، بلکہ انھون نے ہمیشہ درباری زندگی بسر کی اور غزل گوئی خستہ جگر گداختہ دل، آزاد مزاج، عزلت نشین، قناعت پیشہ اور الم کش اشخاص کا شیوہ ہے۔ ہوس ناکی، جاہ طلبی، اور زراندوزی وغیرہ سے اسے کوئی تعلق نہین ہے۔ ایشیائی شعرا مین صرف چند بزرگ مثلاً شیخ سعدیؒ۔ خواجہ حافظؒ۔ خواجہ میر درد وحید الہ آبادی۔ راسخ عظیم آبادی۔ میر تقی میر اور خواجہ آتش وغیرہ ایسے گذرے ہین جن مین کم وبیش یہ اوصاف پائے جاتے ہین۔ اور ان لوگون نے حتی الامکان سلاطین و امرا، کے دربار سے کنارہ کش رہنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی غزلون مین جو کیف جو اثر اور جو سوز و گداز پایا جاتا ہے۔ وہ درباری شعرا مثلاً سودا و انشا و ذوق کے کلام مین مفقود ہے

(۸) آٹھوین یہ کہ وہ تیغ عشق کے زخم خوردہ نہ تھے۔ لیکن میر کے دل پر ابتدا ہی سے یہ چرکہ لگ چکا تھا اور عمر بھر اُن کے دل مین یہ نشتر کھٹکتا رہا

ان تمام اسباب کی بنا پر سودا کے کلام مین وہ سوز و گداز پیدا نہ ہو سکا۔ جو میر صاحب کی غزلون مین عموماً موجود ہے۔

چنانچہ مولوی محمد حسین آزاد نے آب حیات مین دونون کے چند قریب المعنی اشعار کا موازنہ کرکے دونون کے انداز طبیعت کو نہایت خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے

شعر الہند جلد اول صفحہ ۴۷ تا ۵۶

اس اقتباس کے بعد یہ تسلیم کرنے مین کوئی اعتراض نہین رہتا کہ مرزا سودا کو نفس شاعری سے درحقیقت کوئی تعلق نہ تھا یا اگر تھا تو بہت کم غزلین اُنھون نے لکھین ضرور لیکن اثر پیدا نہین ہوا اور نہ ہو سکتا تھا وہ قصیدہ گو تھے اور قصیدہ گوئی کے تمام اوصاف اُن کے کلام مین پائے جاتے ہین اور انھین اوصاف نے اُن کو غزل گو شعرا کے گروہ سے نکال دیا ہے۔

لیکن آزاد اس رائے سے مختلف ہین اور چونکہ انھین آگے چلکر انھین اوصاف غیر شاعرانہ سے کام لینا ہے اسلئے کلام مرزا کی

بے تاثیری مٹانے کیلئے اس طرح زور قلم دکھاتے ہین

(۱) "اُن کا کلام کہتا ہے کہ دل کا کنول ہر وقت کھلا رہتا تھا (یہ لوازم غزل گوئی کے فقدان کی توجیہ کیجا رہی ہے)

(۲) "اس پر سب رنگون مین ہمرنگ اور ہر رنگ مین اپنی ترنگ جب دیکھو طبیعت شورش سے بھری اور جوش وخروش سے لبریز، نظم کی ہر فرع مین طبع آزمائی کی ہے اور کہین رُکے نہین"

(۳) چند صفتین خاص ہین جن سے اُن کا کلام جملہ شعراسے ممتاز معلوم ہوتا ہے

(۴) زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہین۔ کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ایسا دست وگریبان ہے جیسے آگ کے شعلہ مین گرمی اور روشنی بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظون کو اس دروبست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جوڑتے ہین گویا ولائتی تمنچے کی چاپین چڑھی ہوئی ہین

(۵) اور یہ خاص اُن کا حصہ ہے۔ چنانچہ جب ان کے شعر مین سے کچھ بھول جائین تو جب تک وہی لفظ نہ رکھے جائین شعر مزا ہی نہین دیتا

(۶) خیالات نازک اور مضامین تازہ باندھتے ہین مگر اس باریک نقاشی پر اُن کی فصاحت آئینہ کا کام دیتی ہے۔ تشبیہ اور استعارہ ان کے ہان ہین مگر اُسی قدر کہ جتنا کھانے مین نمک یا گلاب کے پھول پر رنگ

یہان تو مرزا سودا کی مدح نگاری کا حق ادا کرتے ہوئے بیان کے زور اور عقیدت کے جوش مین کہہ دیا کہ تشبیہ واستعارہ ان کے یہان کھانے مین نمک سے زیادہ نہین۔ لیکن آخر حق حق ہوتا ہے یہ الفاظ حافظہ مین نہ رہ سکے اور صفحہ ۱۹۱ مین سچی بات قلم سے نکل گئی۔ یعنی مرزا سودا بہت دور ہین۔ کیونکہ تشبیہ واستعارہ کے رنگ مین غوطہ دیکر محاورہ مین ترکیب دیتے تھے اور رنگینی کے پردے مین مطلب اصلی کو گم نہ ہونے دیتے تھے۔

(۷) اُنھون نے فارسی محاورون کو بھاشا مین کھپا کر ایسا ایک کیا ہے، جیسے علم کیمیا کا ماہر ایک مادہ کو دوسرے مادہ مین جذب کر دیتا ہے۔ اور تیسرا مادہ پیدا کر دیتا ہے کہ کسی تیزاب سے اسکا جوڑ نہین کھل سکتا اور اُنھون نے ہندی زبان کو فارسی محاورون اور استعارون سے نہایت زور بخشا۔ اکثر ان مین سے رواج پا گئے اکثر آگے نہ چلے

(۸) مرزا طبیعت ہمہ رنگ اور ہمہ گیر ذہن براق اور زبان مشاق رکھتے تھے توسن فکر ان کا منہ زور گھوڑے کی طرح جس طرف جاتا تھا رک نہ سکتا تھا، کوئی بحر اور کوئی قافیہ ان کے ہاتھ آئے۔ تغزل کی خصوصیت نہین رہتی تھی جس برجستہ مضمون مین بندھ جائے باندھ دیتے تھے

(۹) بیشک ان کی غزلون کے بھی اکثر اشعار چستی ودرستی مین قصیدہ کا رنگ دکھاتے ہین، بہت سی غزلین دل پسند اور دلچسپ بحرون مین ہین کہ اسوقت تک اردو مین نہین آئی تھین زمینین سنگلاخ ہین اور ردیف قافئے بہت مشکل مگر جس پہلو سے اُنھین جما دیا ہے ایسے جمے ہین کہ دوسرے پہلو سے کوئی بٹھائے تو معلوم ہو۔ (آب حیات)

باتین تمام وہی ہین جنھین شعر الہند مین بیان کیا گیا ہے - البتہ اتنا فرق ہے کہ حسن لیلیٰ از چشم مجنون باید دید کے مطابق مرزا سودا کی تمام برائیان آزاد کو خوبیان ہو کر نظر آتی ہین اور مولوی عبد السلام دوستی و دشمنی دونون جذبون کے اثر سے محفوظ رہنے کے باعث برائیون کو برائیون کی صورت مین دیکھتے ہین - مولوی عبد الحیٔ صاحب لکھتے ہین :-

"چاہیے تو یہ تھا کہ دنیائے شاعری مین کوئی متنفس بھی اس طرف متوجہ نہ ہوتا لیکن خود مرزا کے زمانے مین چند حضرات نے تقلیداً و مقابلتاً ان اوصاف غیر شاعرانہ کو اپنے کلام کا زیور بنا لیا - جب متوسطین کا زمانہ آیا تو اپنے تمام معاصرین کے خلاف سید انشا نے مرزا سودا کے جنون کا ساتھ دیا - اور قصائد نویسی کے ساتھ ساتھ غزل گوئی کو بھی صرف تفریح دماغ کا ذریعہ بنانے مین اپنی پوری طاقت صرف کر دی - کلیات اُن کا چھپ گیا ہے اسمین ایک دیوان فارسی کا ہے - ایک اُردو کا جس مین قصیدے غزلین قطعے خطوط منظوم ، رباعیان ، پہلیان ، چیستانین ہجوین اور چھوٹی چھوٹی مثنویان ہین - فارسی اُردو کے سوا ہندوستان کی مختلف زبانون مین کچھ کچھ کہا ہے بقول آزاد ابھی پنجاب مین کھڑے ہین ابھی پورب مین بیٹھے باتین کر رہے ہین ابھی برج بھاشی ہین ابھی مرہٹی - ابھی افغان ہین ابھی کشمیری اور چند ساعت بھی اپنے رفیق تمسخر سے جدا نہین ہوتے - سید انشا جیسا ذکی و ذہین آدمی اگر اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہوتا - تو سعادت علی خان کے مزاج مین در خور ہو جانے پر وہ کوئی چیز بن جاتا اور اُسکا دیوان لطائف سے مالا مال ہونیکی جگہ ملک کے سامنے آج ایک نمونہ پیش کرتا -

(گل رعنا ۲۶۰-۲۶۱)

واقعہ یہ ہے کہ اُن کی غزلون مین سخت ناہمواریان اور بے اعتدالیان پائی جاتی ہین اور کسی نظم مین سید انشا سے بالکل متانت کی توقع ایک بے سود چیز ہے - شیخ مصحفی نے انھین بھانڈ اور نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے بے اصول شاعر کہدیا تو کوئی مبالغہ نہین کیا -

لیکن آزاد نے اپنی عمارت بے اصل کے سنبھالنے مین جس حسن استدلال سے کام لیا ہے - اور واقعات پر پردہ ڈالکر کچھ کا کچھ دکھانے مین جو منہ زوری کی ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے

غزلون کا دیوان عجیب طلسم کا عالم ہے - زبان پر قدرت کامل بیان کا لطف محاوردن کی نمکینی ترکیبون کی خوشنما تراشین دیکھنے کے قابل ہین -

"غزلون مین غزلیت کے اصول کی پابندی نہین - سبب یہ ہے کہ وہ سخن آفرین ایک ذخیرۂ وافر مضامین والفاظ کا اپنے پاس رکھتا تھا - اس سے جس قسم کی مخلوق چاہتا تھا پیدا کر لیتا تھا - (آب حیات صفحہ ۲۷۱)

اس مین کچھ کلام نہین کہ جو جو تصرفات یا ایجادات کئے انہین بعض جگہ سینہ زوری بھی ہے - مگر خوش نمائی و خوش ادائی مین شبہ نہین - درحقیقت اُن کی تیزی طبع نے عالم وجود مین آنیکے لئے تیزی دکھائی - اگر وہ سو برس بعد پیدا ہوتے تو ہماری زبان کا فیشن نہایت خوبصورتی سے بدلتے (صفحہ ۲۰۶ آبحیات)

اول تو اکثر غزلین اور قصائد ان کے سنگلاخ زمینون مین ہوتے تھے - پھر اسمین قافئے ایسے کڈھب لیتے تھے -

کہ عاشقانہ مضمون کم آسکتے تھے۔ اسیواسطے قانون کلام یہ رکھا تھا۔ کہ کیساہی قافیہ ہو اور کیساہی مضمون جس برجستہ پہلو سے بندھ جائے چھوڑنا نہین چاہئے۔ ساتھ اسکے یہ ہے کہ شاعر کو زیادہ تر کام عوام سے ہوتا ہے جنھین مضامین عشقیہ کے بعد کچھ لطف ہے تو ظرافت مین ہے۔ اسلئے انکی طبیعت جو اسی آسمان کا ریزہ تھی ہر آن نیا جلوہ دیتی تھی۔

(آبحیات صفحہ ۲۸۳)

لوگ کہتے ہین کہ سید انشا کا کلام ہر مقام پر قابل سند نہین۔ یہ بات درست ہے مگر اُن کی بے اعتدالیان کچھ جہالت کے سبب نہ تھین۔ بلکہ عمداً تھین یا بے پروائی کے سبب تھین۔ کہ اپنی طبع وقاد اور وسعتِ استعداد کے سامنے قواعد اور اہل قواعد کو پانی کر دیا۔ الفاظ و محاورات مین بہت سے تصرف کئے یہ تصرف صرف اگر محدود مقامون مین ہوتے تو شکائتین نہ ہوتین۔ کیونکہ اس زبان آور سے زیادہ قادر زبان اور زباندان کون ہے خصوصاً جبکہ استعداد علمی سے مسلح ہو لیکن افراط نے ہمین بھی خاموش کر دیا ہے۔

بہر حال اُن کے کلام سے واقف حال اور طالب کمال بہت کچھ فائدے اُٹھا سکتا ہے اکثر اچھوتے ایجاد ہین کہ گل نوبہار کی طرح سر پر رکھنے کے قابل ہین۔ بہت سے تھوڑی سی تبدیلی یا تراش سے انوکھے بن سکتے ہین۔ بہت سے وہ ہین جن پر سوا اسکے کچھ نہین کہہ سکتے۔ خطائے بزرگان گرفتن خطاست

(آب حیات صفحہ ۲۸۴)

نگاہ کا فرق دیکھئے شیخ مصحفی صرف تین شعر کہتے ہین:۔

تیغ نے اُسکی کلیجہ کھا لیا — اُس نے آتے ہی مجھے سنگوا لیا

چمن مین چل کے کرائے مصحفی تو نالہ و آہ — جو جی چلا ہو ترا امتحانِ بلبل کو

نہ مین صحرا مین نہ گلشن مین نکل جاؤنگا — خوگر شہر ہون یان خاک مین رل جاؤنگا

تو وطن کا محاورہ یاد آجانا کہکر داد سخنوری دی جاتی ہے۔ اور جب انشا بے راہ روی اور نا قابل تقلید شاعری کی دُھن مین غیر مستند اور غلط محاورے و الفاظ کا ایک ڈھیر لگا دیتے ہین تو کہا جاتا ہے کہ یہ بے اعتدالیان کچھ جہالت کے سبب سے نہ تھین بلکہ عمداً تھین یا بے پروائی کے سبب سے تھین۔ حالانکہ دانستگی و واقفیت کی غلطی گناہِ کبیرہ خیال کیجاتی ہے۔ یا

شیخ مصحفی۔ اُس گل کی باغ مین جو صبا نے چلائی بات — غنچے نے مسکرا کے کہا ہمنے پائی بات

فرماتے ہین تو اوام و وہم والی بات کہکر انسانیت سوز طریقۂ تحسین استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جب انشا کی کثیر التعداد ایسی زیادتیون کا ذکر آتا ہے جو نہ گل نوبہار کی طرح سر پر رکھنے کے قابل ہین نہ تھوڑی بہت تبدیلی سے انوکھی بن سکتی ہین تو صرف خطائے بزرگان گرفتن خطاست کہہ کر سعادتمندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ شیخ مصحفی (بقول نساخ) انشا کے اُستاد ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ بزرگی کے مستحق تھے

مختصر یہ کہ مجھے وہی کہنا پڑیگا کہ آزاد نے آبحیات کی تصنیف سے کوئی ادبی خدمت نہین کی۔ بلکہ دو تین شاعرون کی

بیمعنی اور غلط تعریف و توصیف کے جوش مین جو کچھ زبانِ قلم پر آیا بغیر سوچ سمجھے لکھتے چلے گئے ہین۔ جب شاعری نے اور ذرا ترقی کی تو نازک خیالی اور مضمون آفرینی کا رنگ پہلے سے زیادہ اُچھلا جس کے اثر سے اردو شاعری مہمل الفاظ کا ایک مجموعہ ہو کر رہ گئی۔ لکھنؤ مین شیخ ناسخ نے طبعی مناسبت کی بنا پر میر و مصحفی کے سادہ و سلیس اندازِ بیان کو چھوڑ کر مضامین تازہ اور غزلہائے قصیدہ نما کو اپنا سرمایہ ناز قرار دیا۔ اور نہایت پرزور الفاظ مین اپنے مسلک کا اعلان کر دیا۔

کب ہماری فکر سے ہوتا ہے سودا کا جواب ہان تتبع کرتے ہین ناسخ ہم اُس مغفور کا

اس اعلان سے شیخ ناسخ کے اصلی ماخذ شاعری کا پتہ چلتا ہے۔ اور ساتھ مین یہ بات بھی پوشیدہ نہین رہتی کہ میر صاحب نے انھین اصلاح دینے سے صاف انکار کیون کر دیا۔ اور شیخ مصحفی مرحوم نے دس پانچ غزلین دیکھنے کے بعد اپنے یہان سے کیون نکال دیا۔ شیخ ناسخ کے کلام کو دیکھیے وہی ثقیل الفاظ وہی ابتذال وہی فضول اور بے نتیجہ خیال بندی تمام باتین جو مرزا سودا کی شاعری کی جان ہین یہان بھی حد سے زیادہ پائی جاتی ہین۔ مولانا سید امداد صاحب اثر کا فرمانا بالکل درست ہے کہ۔

> شیخ ناسخ کی بدولت وہ خیالات بڑی کثرت کے ساتھ احاطۂ غزل سرائی مین داخل ہو گئے۔ جو درحقیقت اس سے باہر ہین۔ اس زور آزمائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ واردات وجذبات قلبیہ اور دیگر امور ذہنیہ کے مضامین سے شیخ کی غزلین معرا ہو گئین۔ اور غزل سرائی کا مطلب فوت ہو کر ایک ایسی قسم کی شاعری ایجاد ہو گئی جسپر قصیدہ گوئی اور غزلسرائی دونون مین سے ایک کی تعریف بھی صادق نہین آتی۔ (کاشف الحقائق صفحہ ۱۳۹) جلد دوم

اس روش سے نہ صرف شیخ ناسخ کو نقصان پہونچا بلکہ منشی مظفر علی اسیر کی ہمنوائی نے ایک عرصے تک کیلئے تمام لکھنؤ کی شاعری کو خاک مین ملا دیا۔ اور آتش وچند تلامذۂ آتش کو چھوڑ کر سب اسی میدان کے ہو کر رہ گئے

دلی مین شاہ نصیر نے مشکل پسندی کو آسان گوئی پر ترجیح دیکر شعرائے دلی کے دربار سے اپنی نامقبولیت کی سند حاصل کی انھین دلی کا شیخ ناسخ کہین تو غلط نہین کیونکہ ان کے کلام مین شیخ ناسخ کی تمام خصوصیات جلوہ گر نظر آتی ہین شیخ ناسخ کے کلام کی ایک بڑی خوبی تمثیل ہے جو سینہ بہ سینہ مرزا سودا سے چلی آتی ہے یعنی وہ اخلاقی مضامین کو اکثر اس طریقہ سے باندھتے ہین۔ کہ ایک مصرعہ مین دعوی ہوتا ہے اور دوسرے مین مثال جا بجا اخلاقی دعوی کرتے ہین اور اُسکو تمثیل کے ذریعہ سے ثابت کرتے ہین اس رنگ کے بے اثر اور اس شاعری کے بے مصرف ہونے مین کسی صاحبِ عقل کو شبہ نہین۔ لیکن آزاد کی تاویل دیکھیے۔

> کلام کو اچھی طرح دیکھا گیا زبان شکوہ الفاظ اور چستی ترکیب مین سودا کی زبان تھی۔ اور گرمی ولذت اسمین خداداد تھی انھین اپنی نئی تشبیہون اور استعارون کا دعویٰ تھا۔ اور یہ دعویٰ بیجا نہ تھا۔ نئی نئی زمینین نہایت برجستہ اور پسندیدہ نکالتے تھے۔ مگر ایسی سنگلاخ ہوتی تھین جسمین بڑے بڑے شہسوار قدم نہ مار سکتے تھے تشبیہ اور استعارہ کو لیا ہے اور نہایت آسانی سے برتا ہے۔ جسے اکثر زبردست انشاپرداز ناپسند کر کے کم استواری کا نتیجہ نکالتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ تشبیہ یا استعارہ شاعرانہ نہین پھبتی ہے۔ لیکن یہ اُن کی غلطی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کہتے تو کلام سریع الفہم کیونکر ہوتا۔

اور ہم ایسی سنگلاخ زمینوں مین گرم گرم شعر کیونکر سنتے ۔ پھر وہ ہزارون شاعرون مین خاص و عام کے منہ سے واہ واکیونکر سنتے علم کے دعویدار شاعران کے کلام کی دھوم دہام کو ہمیشہ کنکھیون سے دیکھتے تھے ۔ اور آپس مین کانا پھوسیان کرتے کرتے تھے ۔ پھر بھی اُن کے زورِ کلام کو دبا نہ سکتے تھے ۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ زورِ طبع اُنکا کسی کے بس کا نہ تھا ۔ جس سنگلاخ زمینون مین گرمی کلام سے وہ مشاعرہ کو تڑپا دیتے تھے ۔ اور ون کو غزل پوری کرنی مشکل ہوتی تھی ۔ (آبحیات)

انصاف دیکھئے شاہ نصیر کے بے اثر حصۂ کلام کا ذکر تک نہین کرتے ۔ اخلاقی مضامین کا مطلق حوالہ نہین دیتے ۔ اور اپنی طرف سے کچھ گھٹا کچھ بڑھا کر یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہین کہ شاہ نصیر نے بڑے بڑے شہسواران سخن کو پست کر کے چھوڑ دیا ۔ لیکن دست قضا و قدر سے انسان مجبور ہے ۔ اسی جوش مین وہ الفاظ بھی نکل گئے ہین جنھون نے شاہ نصیر و مرزا سودا کی خصوصیات شاعرانہ کو یکجا کر دیا ہے ۔ آزاد کا یہ فقرہ غور طلب ہے ۔ کہ علم کے دعویدار شاعرون کے کلام کی دھوم دہام کو ہمیشہ کنکھیون سے دیکھتے تھے اور آپس مین کانا پھوسی کرتے تھے پھر بھی اُن کے زورِ کلام کو دبا نہ سکتے تھے ۔ اور جب اسکے ساتھ سید انشا واے اس فقرہ کو بھی پڑھا جائے ۔ کہ انکی غلطیان کچھ ناواقفی کے سبب سے نہ ہوتی تھین بلکہ عمداً ہوتی تھین ۔ یا بے پروائی کی وجہ سے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ زبان کی طراری ایک جوہر ہے ۔ اور یہ جسے نصیب ہو جائے وہ کسی مقام مین بھی مرزا سودا کے اسپ بدلگام کی طرح سوار کو باگ پر ہاتھ رکھنے کی اجازت نہین دیتا ۔ اور بے لگام جدہر چاہتا ہے ۔ سرپٹ دوڑتا ہوا چلا جاتا ہے ۔ یہان بھی تعریف و توصیف کا وہی زور شور قائم ہے جسکی بین مثالین مرزا سودا و انشا کے بیان بیش کی جا چکی ہین ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نصیر آزاد کی اس بے اصل و بے بنیاد عمارت کے ایک ستون ہین ۔ جو سالہا سال کی کوششون کے بعد تعمیر کر کے آبِ حیات کے نام سے یادگار عالم چھوڑی گئی ہے ۔

شاہ نصیر کا شاہراہ اصلی سے ہٹ جانا دتی اور شعرائے دتی کے لئے سمند ناز پر تازیانہ تھا ۔ ناسخ کے کلام کا غلغلہ بلند ہوتے ہی مومن و غالب نے بھی وہی فضول روش اختیار کر لی ۔ لیکن ان دونون بزرگون سے فطری نامناسبت کے سبب یہ روش نہ نبھ سکی خدا کا شکر ہے کہ دونون جلد سے جلد راہ راست پر آگئے ۔ مومن خان نے معاملہ بندی کی طرف توجہ کر کے جرأت کے رنگ کو جلا دی اور غالب نے میر و مصحفی کے سادہ انداز کو اختیار کر کے مستحسن طریق سخن پیدا کیا ۔ البتہ ذوق پر اپنے استاد کا اثر زیادہ پڑا چنانچہ ان کے کلام مین ناسخ کی تمام خصوصیات موجود ہین ۔ یہانتک کہ رعایت لفظی کی بدترین مثالین بھی پائی جاتی ہین اور مبتذل و سوقیانہ مضامین بھی تمثیلی مضامین کا تو ٹھکانا ہی نہین غزلین کی غزلین ناسخ کا راگ الاپ رہی ہین ۔ البتہ بقول مولوی عبدالسلام وہ اپنے استاد شاہ نصیر سے دو باتون مین ممتاز ہین ایک تو یہ کہ دتی کی آب و ہوا کے اثر سے اُن کے کلام مین جابجا جذبات اور روحانیت کی آمیزش بھی موجود ہے ۔ اسلئے اُن کا کلام صحرائے بے آب و گیاہ کی طرح بالکل خشک اور بے ثمر نہین معلوم ہوتا ۔ بلکہ خس و خاشاک کے ڈھیر مین کہین کہین دو چار پھول بھی نظر آجاتے ہین ۔ دوسرے یہ کہ اکثر محاورات کو اس برجستگی کے ساتھ باندھ جاتے ہین کہ طبیعت کو نہایت انبساط حاصل ہوتا ہے لیکن یہ تمام جواہر ابتدائی حالت کے معلوم ہوتے ہین ۔ کیونکہ سید صفیر بلگرامی کی تحقیق کے مطابق وہ آخر زمانے مین بالکل سودا بن گئے تھے ۔ آزاد کا مسلک جمہور کے خلاف ہے

اور چونکہ وہ شیخ ذوق کے شاگرد رشید نہین بلکہ مُرید ارادتمند ہین - اسلئے اُنھون نے اپنے پیرو مرشد کی عزت و حرمت برقرار رکھنے کیلئے تعریف و توصیف کی سیاہی سے آبِ حیات کے صفحات کے صفحات سیاہ کرکے دنیا پر ثابت کردیا ہے "کہ آب چشمۂ حیوان درون تاریکی ست" اور ملاحظہ ہو فرماتے ہین :-

عام جوہر اُن کے کلام کا تازگی مضمون ، صفائی و چستی ترکیب ، خوبی محاورہ اور عام فہمی ہے مگر حقیقت مین رنگ مختلف وقتون مین مختلف رہا - ابتدا مین مرزا رفیع کا انداز تھا شاہ نصیر سے ان دنون معرکے ہو رہے تھے - انکا ڈھنگ وہی تھا اسلئے انھون نے بھی وہی اختیار کیا - اسکے علاوہ مرزا کی طرز کے گرمانے مین اور لوگون کے لب و دہن سے واہ وا نکال لینے مین ایک عجیب جادو کا اثر ہے چنانچہ وہی مشکل طرحین چُست بندشین برجستہ ترکیبین معانی کی بلندی الفاظ کی شکوہین اُن کے ہان بھی پائی جاتی ہین - اُن کی غزل ایک گلدستہ گلہائے رنگارنگ کا ہوتی تھی ہر قافیہ ایک خاص انداز کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے کہ اس مین بندھے تو لطف ہے نہین تو پھیکا رہے - پس وہ مشاق باکمال اس بات کو پورا پورا سمجھا ہوا تھا - اور جس قافیہ کو جس پہلو کے مناسب دیکھتا تھا - اُسی مین باندھ دیتا تھا - اور اس طرح باندھتا تھا کہ اور پہلو نظر نہ آتا تھا - ساتھ ہی اسکے صفائی اور محاورہ کو ہرگز نہ جانے دیتا تھا -

جاننے والے جانتے ہین کہ اصلی میدان اُنکی طبیعت کا سودا کے انداز پر زیادہ تھا - نظم اُردو کی نقاشی مین مرزا موصوف نے قصیدہ پر دستکاری کا حق ادا کردیا ہے - ان کے بعد شیخ مرحوم کے سوا کسی نے اسپر قلم نہین اُٹھایا - اور انھون نے اس مرقع کو ایسی اونچی محراب پر سجایا کہ جہان کسی کا ہاتھ نہین پہنچا - انوری - ظہیری - نظیری - عرفی فارسی کے آسمان پر بجلی ہوکے چمکتے ہین لیکن ان کے قصیدون نے اپنی کڑک دمک سے زمین کو آسمان کردکھایا -

نواب حامد علی خان مرحوم نے بہایت شوق سے ایک عاشقانہ خط لکھنے کی اُنھین فرمائش کی تھی - اُنھون نے وہ نامہ لکھنا شروع کیا - اسنے ایسا طول کھینچا کہ تخمیناً تین سو شعر اسکے ہوگئے - اگرچہ نامہ ناتمام تھا مگر ایک ایک مصرعہ سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق تھا - اسکا نام نامۂ جان سوز تھا - اوّل حمد و نعت تھی پھر ساقی نامہ پھر القاب معشوق اسمین اُسکا سراپا اسکے بعد یاد ایام اسمین چارون موسمون کی بہار مگر اسکے معنون کی نزاکت لفظون کی لطافت ترکیبون کی خوبیان اندازون کی شوخیان کیا کہون سامری کے جادو اور جادو کے طلسم اسکے آگے دھوان ہوکر اُڑے جاتے تھے -

عبارت کا زور عقیدت کا جوش دیکھئے کہتے ہین -

کلام کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے ستارے آسمان سے اُتارے ہین مگر اپنے لفظون کی ترکیب سے اُنھین ایسی شان و شکوہ کی کرسیون پر بٹھایا ہے کہ پہلے سے بھی اونچے نظر آتے ہین - انھین قادر الکلامی کے دربار سے ملک سخن پر حکومت مل گئی ہے کہ ہر قسم کے خیال کو جس رنگ سے چاہتے ہین کہہ جاتے ہین کبھی تشبیہ کے رنگ سے سجاکر استعارہ کی

بُو سے بساتے ہین کبھی بالکل سادے لباس مین جلوہ دکھاتے ہین مگر ایسا کچھ کہہ جاتے ہین کہ دل مین نشتر سا کھٹک جاتا ہے۔ اور مُنہ سے کبھی واہ نکلتی ہے اور کبھی آہ نکلتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے ہونٹون مین شُستہ اور برجستہ لفظون کے خزانے بھرے ہین۔ اور ترکیب الفاظ کے ہزارون رنگ ہین۔ مگر جیسے جہان سجتا دیکھتے ہین وہ گویا وہین کے لئے ہوتا ہے۔ وہ طبیب کامل کی طرح ہر مضمون کی طبیعت کو پہچانتے تھے کہ کونسا ہے۔ کہ سادگی مین رنگ دے جائیگا اور کونسا رنگینی مین جس طرح کامل مصوّر کی تیزی قلم کو اُسکے رنگون کی شوخی روشن کرتی ہے۔ اسی طرح اُن کے مضمون کی باریکی کو ان کے الفاظ کی لطافت جلوہ دیتی ہے۔ انہین اس بات کا کمال تھا کہ باریک سے باریک مطلب اور پیچیدہ سے پیچیدہ مضمون کو اس صفائی سے ادا کر جاتے تھے۔ گویا ایک شربت کا گھونٹ تھا کہ کانون کے رستے سے پلا دیا اسی وصف نے نادانون کو غلطی مین ڈالا ہے۔ جو کہتے ہین اُن کے ہان عالی مضامین نہین بلکہ سیدھی سیدھی باتین اور صاف صاف خیالات ہوتے ہین۔ وہ نہین جانتے کہ ان ہونٹون مین خدا نے عجب تاثیر دی تھی۔ کہ جو لفظ اُن سے ترکیب پاکر نکلے ہین خود بخود زبانون پر ڈھلکتے آتے ہین جیسے ریشم پر موتی۔ خدا جانے زبان نے کیسی آئینہ کی صفائی اُڑائی ہے۔ یا انھون نے الفاظ کے نگینون پر کیونکہ جلا کی ہے جس سے کلام مین یہ بات پیدا ہو گئی ہے۔ حقیقت مین اسکا سبب یہ ہے کہ قدرتِ کلام اُن کے ہر ایک نازک اور باریک خیال کو محاورہ اور ضرب المثل مین اس طرح ترکیب دیتی ہے۔ جیسے آئینہ گر شیشے کو قلعی سے ترکیب دیکر آئینہ بناتا ہے اسی واسطے صاف ہر ایک شخص کی سمجھ مین آتا ہے۔ اور دل پر اثر بھی کرتا ہے۔ ان کا مضمون جس طرح دلکو بھلا معلوم ہوتا ہے اسی طرح پڑھنے مین زبان کو مزا آتا ہے ان کے لفظون کی ترکیب مین ایک خداداد چستی ہے۔ جو کلام مین زور پیدا کرتی ہے وہ زور فقط ان کے دل کا جوش ہی نہین ظاہر کرتا بلکہ سُننے والونکے دل مین ایک خروش پیدا کرتا ہے۔ اور یہی قدرتی رنگ ہے جو ان کے کلام پر سودا کی تقلید کا پرتو ڈالتا ہے ان کے دیوان کو جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو اس سے رنگا رنگ کے زمزمے اور بوقلمون آوازین آتی ہین۔ ہر رنگ کے انداز موجود ہین یہی سبب ہے کہ اُن کے دیکھنے سے دل اکتا نہین جاتا وہ لفظ لفظ کی نبض پہچانتے تھے۔ اور مضامین کے طبیب تھے جس طرح برجستہ بیٹھتا دیکھتے تھے باندھ دیتے تھے۔ خیال بندی ہو یا عاشقانہ یا تصوّف اُن کے سینے مین جو دل تھا گویا ایک آدمی کا دل نہ تھا ہزارون آدمیونکے دل تھے اسواسطے کلام اُن کا مقناطیس کی طرح قبول عام کو کھینچتا ہے۔ دل دل کے حالات باندھتے تھے گویا اپنے ہی دل پر گذری ہے۔ (آب حیات صفحات ۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶)

اس مبالغہ آمیز قصیدہ گوئی کی شانِ نزول یہ ہے کہ آزاد نے وہ تمام الفاظ و فقرات جو شعرائے اردو پر زائے زنی کرتے ہوئے دولت بخیل کی طرح بچا بچا کر رکھے تھے اور وہ تمام وقت جو مستحقین مدح و ستائش کی مدح و ستائش سے گریز کرکے آب حیات کے لئے نکالا تھا۔ دونون چیزین فراخ دلی کے ساتھ یہان خرچ کر دین اور اپنی لفاظی کے زور سے شیخ ذوق مرحوم کو

اُٹھاکر آسمان شاعری کے اُس اونچے مقام پر پہنچا کر بٹھا دیا جہان سے اُن کے رنگ کلام مین سفیدی و سیاہی کا امتیاز دشوار ہو گیا۔ بہادر شاہ ظفر نے اگر اپنے اُستاد کو سریر عزت پر متمکن کرنے مین شاگردی کا حق ادا کیا تھا تو آزاد کم رہنے والے نہ تھے۔ انھون نے ارباب نظر کی آنکھون مین خاک جھونک کر وہ کام کر دکھایا کہ جب تک اُردو دان طبقہ مین تنقید کا بازار گرم رہے گا، مشتاقان ادب آب حیات اور سرچشمہ آبِ حیات کو اپنے دل سے محو نہ کر سکین گے۔

آبِ حیات کی تصنیف اور مصنّف آب حیات کی زندگی ذوق کے واسطے تھی اور ذوق کے کام آئی۔ اگر اس سلسلے مین مرزا سودا، سید انشا، شاہ نصیر بلکہ شیخ ناسخ کا ذکر بھی اچھے الفاظ مین آگیا ہے تو یہ سب طفیل ذوق کا ہے۔ غزل گوئی کے لحاظ سے ان حضرات مین کوئی صفت ہو یا نہ ہو لیکن یہ فخر کیا کم ہے کہ آزاد کے گیتون مین شامل ہونا نصیب ہو گیا۔ نہ آزاد ذوق کے شاگرد ہوتے نہ ان کی حیات لکھی جاتی نہ اس حیات کے ایک ایک پہلو کو روشن اور ایک ایک بات کو اُجاگر کرکے دکھانیکے لئے متقابلین کی تعریف و توصیف لازمی قرار پاتی اور یہی سبب ہے کہ مرزا سودا کے مقابلے مین میر تقی کی شاعرانہ و اخلاقی تصویر بگاڑنے، انشا کا لحاظ کرکے شیخ مصحفی کے کمالات حسنہ کو بدنما کرنے، ناسخ کی رعایت مدنظر رکھکر خواجہ آتش کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک روا رکھنے، اور ذوق کی عقیدت و ارادت کے جوش مین غالب مرحوم کو بادل ناخواستہ جگہ دینے مین آزاد کی طرف سے کسی خوش مذاقی کا اظہار نہین ہوا

المختصر متقدمین مین میر تقی۔ میر سوز اور میر درد کے متبعین و مقلدین تو سیکڑون ہوئے مگر مرزا سودا کے نامقبول رنگ پر شاذ و نادر ہی کسی کو چلنے کی جرأت و رغبت ہوئی اور جو لوگ قضا کے مارے ادھر آپڑے اُنکی شاعری کا حشر ارباب فہم مین اسکے سوا کچھ نہ ہوا کہ غزل گویونکے گروہ سے خارج سمجھے گئے۔

شیخ مصحفی کے متعلق یہ ہے کہ انھون نے مرزا سودا کا آخری زمانہ پایا تھا اور دہلی کے تکلّف پرست طبقے مین بیٹھ کر اپنی شاعری کے جوہر دکھائے تھے۔ اسلئے اُن کے کلام مین ہر جگہ تو نہین البتہ کہین کہین سودا کا رنگ نظر آجاتا ہے۔ جسے زیادہ تر اوائل شاعری کا حاصل کہنا چاہیے مگر باینہمہ انھون نے تلاش مضمون و جستجوے خیال تازہ مین کوہ کندن و کاہ برآوردن پر کبھی عمل نہین کیا اعتدال و میانہ روی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نہ اتنا نیچے جاتے تھے کہ ہر کس و ناکس کی رسائی ہو جائے نہ اتنا اونچا اُڑتے تھے کہ بالکل اوجھل ہو جائین یہ حالت بھی کچھ زیادہ عرصے تک قایم نہ رہ سکی اور یہ دیکھکر کہ مرزا سودا کا غیر فطری رنگ اپنی بے اثری و بے کیفی کیوجہ سے عامتہ الناس مین عزّت کی نظر سے نہین دیکھا جاتا۔ انھون نے بہت جلد رُخ بدلا اور اپنے اصلی رنگ پر آگئے۔

شیخ مصحفی کا اصلی رنگ وہی ہے جو میر تقی و میر سوز کی محاورہ بندی کا رنگ ہے۔ جس طرح یہ دونون اُستاد تھوڑے بہت فرق کے ساتھ واردات و کیفیاتِ قلب کو معمولی معمولی لفظون مین ظاہر کرنیکے عادی تھے۔ اسی طرح شیخ مصحفی مرحوم نے بھی مضامین عشقیہ کے ساتھ سادگی بیان کو اختیار کرکے اپنی غزل کو صحیح معنون مین غزل بنا دیا جیسا کہ ہم نگار دسمبر مین ثابت کر چکے ہین۔ اسی کیفیت و حالت کا اندازہ کرکے مولوی عبد السّلام نے فرمایا ہے کہ متوسطین مین مصحفی نے اُردو غزل گوئی کا بہترین نمونہ

قائم کر دیا تھا۔

ان کے اور ان کے شاگرد خواجہ آتش کے کلام کو دیکھئے جذبات لطیف مین جوش اور اُن کے اظہار مین دلکشی و دل آویزی شاعری کے دونون عناصر پہلو بہ پہلو نظر آتے ہین مگر بقول حضرت عزیز لکھنوی اسوقت کے محشرستان مین ان کے لطیف نغمے اس طرح دب کے سبق آموز نہ ہوسکے یا یون کہو کہ طبیعتون مین اُسکے قبول کرنیکی صلاحیت ہی نہ تھی۔

جب سید انشا اور مرزا سودا کی تقلید مین شیخ ناسخ اُردو شاعری کے پھلے پھولے چمن کو برباد کرنے مین مصروف سعی تھے اور لکھنؤ کی غیر صلاحیت پذیر ہستیان جوش و خروش کے ساتھ اُن کے توسن بادپا کی باگ پکڑنے دوڑ رہی تھین تو رنگ قدیم ضلع جگت اور لفاظی کے گرد و غبار مین اس طرح اٹا ہوا تھا جس طرح چودھوین رات کے چاند پر ابر کی سیاہی اپنا قبضہ کرنی چاہتی ہے شیخ مرحوم نے اسی حالت کی طرف اشارہ فرمایا ہے

تھا جو شہرا سست سرو بوستان ریختہ
اب وہی ہے لالۂ زردِ خزانِ ریختہ

پیچ دے دے لفظ و معنی کو بناتے ہین کلفت
اور پھر وہ اسپہ رکھتے ہین گمانِ ریختہ

فہم مین اتنا نہین آتا بجکم رائے پست
اس بلندی سے گھٹی جاتی ہے شانِ ریختہ

خوانِ نعمابن کے پہنچا ہر کس و ناکس کے ہاتھ
قطع سلطان کا جو تھا مخصوص خوانِ ریختہ

جب سے معنی بند کا چرچا ہوا اے مصحفی
خلط مین جاتا رہا حسنِ بیانِ ریختہ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نئی تراش خراش نے ان کے دل پر کسقدر اثر کیا ہوگا۔ اور میر تقی کی سیدھی سادی وضع یعنی اپنی محاورہ بندی کی شاعری اپنی آنکھون کے سامنے بے اثر ہوتے دیکھ کر کسقدر رنجیدہ ہوئے ہونگے لیکن زمانہ کی روش کسے چھوڑتی ہے رفتہ رفتہ وہ بھی ایک دن اسی بلا مین مبتلا ہو گئے۔ ان کے دیوان ششم مین کہین کہین رنگ جدید کی جھلک اسی طرح نظر آجاتی ہے جس طرح بالفاظ آزاد میر سوز کے کلام مین دو چار شعر دن کے بعد ایک آدھ پرانا لفظ کھٹک جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مرزا کا طرز کلام نہ کبھی شیخ مصحفی کو پسند آیا اور نہ اُسے قابل تقلید سمجھا تاہم وقتاً فوقتاً غزلین اس انداز مین لکھ گئے ہین وہ مرزا سودا کی تمام خصوصیات کمال پر حاوی ہین ان مین الفاظ کی شان و شکوہ معانی کی تازگی و بلندی اور ترکیبون کی چستی و درستی زمین شعر کو آسمان سے ٹکرائے دیتی ہے۔ بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا سودا شیخ مصحفی کے روپ مین مجمع اہل کمال کے سامنے اپنی شہزوری کا اعلان کر رہے ہین یہی موقع ہے جہان پہونچکر شیخ مصحفی کے کلام بلاغت نظام اور سید انشا کے اجتہادی کارنامونکی سرحدین ایک دوسرے سے ملجاتی ہین

مشکل اور سنگلاخ زمینون مین اپنی کاوش فکر سے وہ کمالات دکھائے ہین کہ مرزا سودا کی کارگزاریان مات نظر آتی ہین ان غزلون مین بہت سی غزلین بقا، اللہ خان بقا شیخ ولی اللہ محب اور شیخ قیام الدین قائم بلکہ خود مرزا سودا کی غزلون پر کہہ کر داد سخن دی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مشاعرہ مین پڑھی گئی ہین۔ بہت سی ایسی ہین۔ جو مرزا سودا کے ردیف و قافیے مین

تھوڑا سا تغیر کرکے اپنے استعمال کے لائق بنالی گئی ہین اور اپنی اُستادی کے جھنڈے گاڑنے مین ان سے کام لیا ہے۔ بیشتر مشکل ردیفین خود اختیار کی ہین اور اس قسم کی تمام غزلون مین اسقدر صفائی وسلاست سے کام لیا ہے کہ ردیف کی مشکلات نے محاورات کے تیور پر بل نہین آنے دیا یعنی ایسے موقع پر شاہ نصیر اور شیخ مصحفی مین کوئی فرق نظر نہین آتا۔

جہان حریفانہ طور پر مرزا سودا کا مقابلہ کیا ہے۔ دیگر خصوصیات کی طرح استعارہ وتشبیہ اور دعویٰ ودلیل مین تطابق پیدا کرنیکے لئے تمثیل بیان کرنے مین بھی کوئی کمی نہین کی متعدد غزلین ہین کہ جن مین مطلع سے مقطع تک اخلاقی مضامین بیان کرتے چلے گئے ہین یہانتک کہ عاشقانہ مضامین بھی تمثیل وتشبیہ سے کام لے لیا ہے۔ اگرچہ نوعیت مضمون کے لحاظ سے اس قسم کا تمام کلام مرزا سودا کے کلام کے مقابلے مین رکھا جا سکتا ہے لیکن بلحاظ صفائی زبان اور روانی بیان ان سے کہین بڑھ چڑھ کر ہے۔

تھا سُرخ پوش وہ گل شاید چمن کے اندر — شعلہ سا شب بھرے تھا سرو دمن کے اندر
جو ہاتھ دلبرون کے دامن کو کھینچتے تھے — اب کھنچ کے رہ گئے ہین کیسے کفن کے اندر
گورے بدن کا عالم اُسکا مین رات دیکھا — اک نور کا جھمکڑا اٹھا پیرہن کے اندر
شکوہ کا نامہ اُس نے وہ خونچکان لکھا تھا — چھریان رکھین تھین جسکی ہر اک شکن کے اندر
وعدہ نہ مصحفی سے جھوٹا کروگے صاحب — ہے اک زبان حلال اس سارے بدن کے اندر

کلام کا زور اور مضمون کی نزاکت اس طرح دونون دست وگریبان ہین کہ بیک وقت سامع کے دماغ کو مسحور کر لیتے ہین مطلع کی رنگینی کا کیا ٹھکانا ہے۔ یہی شعلہ تو ہے جسکی گرمی اور روشنی آزاد نے مرزا سودا کے کلام مین دیکھی دوسرے شعر مین کھینچنے اور کھنچنے سے دو مختلف حالتون کی نقاشی کرکے موت وحیات یا بالفاظ دیگر دنیا وآخرت کو ایک جگہ کھینچکر رکھدیا ہے تیسرا شعر محاسن شاعری کی دنیا مین ہمیشہ روشن ومنور نظر آنے کے قابل ہے۔ لفظرات کا انتخاب کسقدر جدت کے ساتھ کیا ہے۔ چوتھے شعر مین خط کی شکن کو چھریان دھرنیکی جگہ بناکر خونچکانی کا سامان فراہم کرنا تلاش مضمون کی بہترین مثال ہے۔ مقطع کا تو کہنا ہی کیا۔ شعر کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ زبان حلال ہے اور جھوٹ بولنا حرام اور چونکہ جھوٹ زبان سے بولا جاتا ہے۔ اس لئے حلال سے حرام کا ظاہر ہونا چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی کا مصداق ہے۔ شاعر صرف یہ کہکر کہ مجھسے جھوٹا وعدہ نہ کرو کیونکہ سارے بدن مین زبان ہی اک حلال چیز ہے باقی حصہ حذف کردیتا ہے جو بجائے خود نہایت لطیف پیرایہ بیان ہے۔ احترام معشوق دیکھئے یہ نہین کہا کہ جھوٹ بولنے کی بات تمھاری زبان حرام سے آشنا ہو جائیگی۔ بلکہ ایک کلیہ بیان کردیا جس مین یہ ضروری کیفیت خود بخود آگئی۔ ایثار محبت دیکھئے جھوٹے وعدے سے روکنے کے لئے اپنے نقصان کا حوالہ نہین دیا بلکہ معشوق کی زبان کو حرام سے پاک صاف رکھنے کی طرف اشارہ کیا جس مین پہلی بات بھی شامل ہے

تم گرم ملے ہم سے نہ سرما کے دنون مین — پیش آئے بگرمی بھی تو گرما کے دنون مین
نے غرفے سے جھانکے نہ کبھی بام پر آئے — پنہان ہی رہے حسن جلی آرا کے دنون مین

جی ہی مین رکھی اپنے میان ہنتے جو اُبچی — کچھ ہم نے کہا تمسے تمنا کے دنون مین
دل اپنا الجھتا تھا بھی جن دنون پیارے — تھی زلف تری طرۂ لیلیٰ کے دنون مین
مفلس ہوئے اے مصحفیؔ افسوس کہ ہم نے — پیدا نہ کیا یار کو پیدا کے دنون مین

مرزا سودا کا یہی رنگ ہے جو غزل کے ایک ایک مصرعہ سے نمایان ہو رہا ہے۔

غنچے نے ترے لب سے لیا دام تبسم — اور آنکھون سے سیکھا گل بادام تبسم
زلفون مین اچنبھا نہین کچھ اسکی بناگوش — یان کرتی ہے نت صبح تہِ شام تبسم
جس گھر مین ہو خورشید رُخِ یار کا جلوہ — موجود ہو وان تا بلب بام تبسم
اس زیرلبی خندہ کے کشتون مین ہون جسکا — نزدیک ادا فہمون کے ہے نام تبسم
اے مصحفیؔ میرے دلِ ناشاد کی خاطر — ایجاد کیا اُس نے بدشنام تبسم

ایک ایک مصرعہ پکار رہا ہے کہ مین شیخ مصحفی کی ملکیت نہین مرزا سودا کی تراوش ہون مطلع مین دونون قافیون کو اس طرح درست بٹھا دینا چودھوین صدی کے شعرا کا کام نہین ہے زلف اور بناگوش کی تشبیہ صبح تہ شام کے ساتھ شاعرانہ کارنامہ ہے تا بلب زیرلبی خندہ اور بدشنام وہ ترکیبین ہین جن سے ان کے کمال کا ثبوت ملتا ہے۔

شبنم کا قطرہ ہی نہ فقط آبدیدہ تھا — تربت پہ میری گل بھی گریبان دریدہ تھا
دن رات طفل اشک کبھی نورِ دیدہ تھا — رونے سے آشنا دل حسرت کشیدہ تھا
آتی تھی رنگ گل سے مجھے رات بوئے خون — عاشق کا کیا ترے وہ گلوئے بریدہ تھا
اب لامکان سے بھی ہے ادھر اُس کی بود و باش — عرش آشیان جو طائر رنگ پریدہ تھا
شب اشتیاق بوسۂ رخ مین ترے صنم — ہر ایک برگ گل لب حسرت گزیدہ تھا

شبنم و گل یہی دو چیزین ہین جن سے دونون قافئے دو صفتون سے متصف ہو گئے اور عاشق ناشاد کی تربت پر حسرت و یاس کی بارش کر رہے ہین چوتھے شعر کی معنویت تک پہونچنے کے لئے ذرا بلند دماغ کی ضرورت ہے۔ پانچوین برگ گل کو لب حسرت گزیدہ سے تشبیہ دینا مرزا سودا سے قریب تر کر دیتا ہے۔

کیا عہد کوئی اُس بت سفاک سے باندھے — سر کاٹ کے عاشق کا جو فتراک سے باندھے
جاؤن جو حرم مین تو میری آہ کا شعلہ — قندیل ستون حرم پاک سے باندھے
پلکین نہ کبھی سدِّ رہ اشک رواں ہون — دریا کو نہ کوئی خس و خاشاک سے باندھے
گر دیدۂ بینا ہو تو صناعِ ازل نے — کیا کیا نہ طلسم ایک کفِ خاک سے باندھے
چسپیدگی دل سے عجب کیا ہے جو عاشق — تیر ادم خنجر جگر چاک سے باندھے

کل مین شب ہجران مین ترے غصے کے مارے / الماس کے ٹکڑے جگر چاک سے باندھے
ہم سجدہ ادا کر چکے اب سر کو ہمارے / نیزے پہ رکھے خواہ وہ فتراک سے باندھے
دریائے سرشک اپنا جو طغیانی پر آوے / دامن کو وہین دامن افلاک سے باندھے
کیا کیا نہ غزال ختنی مصحفی مین نے / اس دشت مین تار نظر پاک سے باندھے

تیسرے شعر کی تشبیہی کیفیت غور طلب ہے۔ اشک روان کو دریا اور پلکون کو خس وخاشاک سے تشبیہ دینا نادر نہین تو اور کیا ہے۔ پانچوین شعر کی جان چسپیدگی دل ہے چاک جگر کی تسکین کیلئے قاتل کے دم خنجر کو پھاہا بنانا نہایت مزے کی بات ہے ساتوان شعر نیاز عشق اور صبر وتسلیم کا اعلی مظہر ہے مقطع فخریہ نہین واقعہ ہے کلام کا زور اور مضمون کی نزاکت دونون کا لحاظ کیجئے زبان پر حاکمانہ قدرت رکھنا اسی کا نام ہے

سیراب آب جو سے قدح اور قدح سے ہم / سرخوش گلون کی بو سے قدح اور قدح سے ہم
چہرے پہ ہے گلال جو اس مست ناز کے / رنگین ہے عکس رو سے قدح اور قدح سے ہم
پیر مغان کرم ہے جو سیراب ہو سکے / تیرے نم وضو سے قدح اور قدح سے ہم
حلقہ نہین یہ کاکل ساقی مین بلکہ ہے / وابستہ مو بمو سے قدح اور قدح سے ہم
شیشہ جو پھوٹ جائے تو پھوٹے مگر نہ ہو / یارب جدا سبو سے قدح اور قدح سے ہم

اسکے مقابلہ مین بقا کی غزلین بھی دیکھو اور پھر فیصلہ کرو کہ مصحفی کا کیا مرتبہ تھا

مصحفی کی ایک اور غزل ملاحظہ ہو:-

ہے کاروان رفتہ فراموش نقش پا / بانگ جرس کو سن نہ سکے گوش نقش پا
تلوے ہون ایسے کیون کہ فراموش نقش پا / دیکھے سے جن کے صاف گیا ہوش نقش پا
افتادگان وادی غربت کی سرگذشت / کرتا ہے خود بیاں لب خاموش نقش پا
رنگ کفک سے تا نہ ہوا اسکے ہم کنار / نکلی نہ دل سے حسرت آغوش نقش پا
اک ناز سے جب اسنے زمین پر رکھا قدم / سو منتین رکھین بسر دوش نقش پا
تربت پہ میری بھول کر اسنے رکھا تھا پاؤن / اب تک دعا مین ہین لب خاموش نقش پا
کس کی حنائے تازہ کے ہین فرش پر نشان / فراش اب تلک ہین جو مدہوش نقش پا
مین ناتوان زمین پہ قدم کیا رکھون کہ ہے / ہستی مری گران بہ سر دوش نقش پا

روندن مین ہم تو ہو گئے پامال مصحفی
از بس کہ اس گلی مین ہوا جوش نقش پا

اسکے ساتھ ہی مرزا سودا کی غزل پر بھی نگاہ ڈالو۔ اور پھر انصاف کرو کہ مصحفی کیا چیز تھا۔

ایک اور سنگلاخ زمین مین مصحفی فرماتے ہین:۔

روبرو اُسکی جو تھی شب فندق گلرنگ و شمع — تا سحر کرتا تھا مین سیر گل اورنگ و شمع
وہ تو ہوا اسیر تصدق یہ کرے اس سے گریز — دیدنی ہے صحبت پروانۂ بے ننگ و شمع
جانتا گر مین کہ مانی تری کھینچے گا شبیہ — متصل ہونے نہ دیتا کاغذ بیرنگ و شمع
داغ سینہ کا وہی ہے سختی ہجران رہی — قبر عاشق کو نہین کچھ احتیاج سنگ و شمع
ہم تصور مین تری انگشت فندق بند کے — رکھ کے سو رہتے ہین بالین پر گل اورنگ و شمع
مجلس احباب مین شب ہم گئے تو لطف کیا — صبحدم تھا ایک چہرے کا ہمارے رنگ و شمع
عاشق دیوانہ کو کیا مجلس افروزی سے کام — عشق مین کیونکر ہو یکجا ترک نام وننگ و شمع
مین قسم کھاتا ہون جھپکی ہو ذرا اگر میری آنکھ — رات تھا پیش نظر اُس حسن کا نیرنگ و شمع
دل جلون کے تن پہ ہے ہر پیرہن فانوس دار — مصحفی یکجا نہ ہو ہرگز لباس تنگ و شمع

شمع کی ردیف اور اسکے ساتھ دوسری بالکل غیر متعلق چیز کا جمع کر لینا آسان نہین ہے۔ ایک ایک شعر کاوش فکر کا بے مثل نمونہ ہے۔ چوتھے شعر کی برجستگی داد کی مستحق ہے پانچوان شعر تشبیہ کے حسن انتظام کا لحاظ کرتے ہوئے اعجاز سے کم نہین گل اورنگ و شمع کے اجتماع کو انگشت فندق بند کے تصور کے ساتھ اس ترکیب سے وابستہ کیا گیا ہے کہ ہر پہلو سے روشن معلوم ہوتا ہے۔ آٹھوان شعر حسرت و یاس کی ایک دنیا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ ترک نام وننگ اور شمع ایک جگہ نہین ہو سکتے عاشق دیوانہ کی ترکیب کسقدر درست ہے مجلس افروزی کا موقع اس سے بہتر کہان دستیاب ہو سکتا ہے۔ مقطع بھی اپنے رنگ مین لاجواب ہے۔ بقول مولوی عبدالسلام مرحوم ایسی سنگلاخ زمینون مین سر رشتۂ مضمون کو ہاتھ سے نہ دینا انہی بزرگون کا کام تھا۔ متاخرین سے یہ کمان زہ نہ ہو سکی۔ اسپر آزاد کہتے ہین کہ سودا کا کچھ کچھ سایہ پڑ جاتا ہے۔ خود دو چار شعر لکھنے بیٹھتے تو حقیقت کھل جاتی

ایک غزل اور ملاحظہ ہو:۔

میری نشستگاہ تو اکثر زمین ہے — مانند نقش پا مرا بستر زمین ہے
آتا ہے جی مین روکے ڈبو دون اسے بھی مین — تھوڑی سی یہ جو پانی کے باہر زمین ہے
دیکھو نہ خاکسارون کا بستر بہ چشم کم — رتبے مین آسمان کی برابر زمین ہے
ہم جانتے ہین کوچۂ جانان کا مرتبہ — مسجود خلق ہے یہ عجب سرزمین ہے
اک دن ہوا تھا وہ گل عارض عرق فشان — ابتک ہمارے گھر کی معطر زمین ہے
کس بات پر ترا ہے دماغ آسمان پر — منزل گہ فقیر و تونگر زمین ہے

ہون خاک پائے خلق مین دنیا مین مصحفی
یعنے بسانِ مورمرا گھر زمین ہے

دوسرے شعر کی بلند حوصلگی نواب مصطفےٰ خان شیفتہ سے دریافت کیجئے۔ چوتھا شعر ندرت تخیل کا بہترین مرقع کہا جاسکتا ہے کوچۂ جانان کا مرتبہ بڑہانیکے لئے مسجودِ خلق کہنا اور اس لنسبت سے عجیب سرزمین کا خطاب دینا اُستادی سے بھی زیادہ ہے سرزمین کے اصلی معنی جیسے یہان بیان ہوگئے۔ دوسری جگہ شاید ہی ہوسکین۔

صاف چولی سے عیان ہے بدن سرخ ترا
نہین چھپتا تہِ شبنم چمن سُرخ ترا

یہی عالم ہے اگر اسکا تو دکھلائیگا
بارش خون کا سمان پیرہن سُرخ ترا

وائے ناکامی کہ عاشق کو ترے موت آئی
قابل بوسہ ہوا جب دہن سُرخ ترا

خون سے آلودہ ہوتا ہے تو لے اشکِ سفید
نام ہم کیون نہ رکھین یاسمن سُرخ ترا

آتش تیز پہ ٹھہرا ہے کہین یون بھی سپند
کہہ رہا ہے یہی خالِ ذقن سُرخ ترا

یہی پوشاک کا ہے رنگ تو اے گل ہو گا
تشنۂ خون چمن پیرہن سُرخ ترا

کاش اے کشتے تو محشر مین اُٹھے ہو کے فقیر
گیرد امٹی مین ہووے کفن سُرخ ترا

مصحفی چاہئے کیا اس کو دلیلِ قاطع
سبز ہے خود بہ تخلص سخن سُرخ ترا

اک تو تھا آتش سوزان بدن سُرخ ترا
شعلہ بر شعلہ ہوا پیرہن سُرخ ترا

شمع گلگون غم پروانہ مین خون آتنا نہ رو
طشت آتش تو بنا ہے لگن سُرخ ترا

سُرخ عیار سے تو کم نہین لے دزدِ حنا
کف رنگین بتان ہے دہن سُرخ ترا

یون ہی اے کشتہ جو آیا تو صفِ محشر مین
آگ دیویگا لگا وان کفن سُرخ ترا

تو اگر نافۂ آہو ہے تو اے عقدۂ زلف
وہ ہے رخسارۂ رنگین ختن سُرخ ترا

ہر پری چہرہ ہے پوشیدہ لباس گلگون
مین تو دیوانہ ہون اے انجمن سُرخ ترا

مصحفی زخم ہے تیشے کا ترے ہر مو پر
نام ہم کیون نہ رکھین کوہکن سُرخ ترا

یہ غزلین اُس زمانہ کی ہین جبکہ بقول آزاد شیخ مصحفی کی پیری نے پرواز کے باز ضعیف کر دیئے تھے اور بقول کسے پہلوان سخن شاہ نصیر لکھنؤ مین موجود تھے۔ واقعہ بندی کا حق اور کتابون مین ادا کیا گیا ہے ہمین صرف یہ دکھانا ہے کہ جوان طبیعت شاہ نصیر نصیر نے جنکی تعریف و توصیف ان کے ارادتمند شاید پانچون وقت کرتے ہونگے۔ اس قافیہ اور ردیف مین صرف ایک ہی غزل لکھی اور پڑھی جو آبحیات مین درج ہے۔ مگر اسی کہن سال مصحفی نے نہ صرف تین غزلین کہہ کر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے بلکہ ایک غزل کا اور بھی اضافہ کر دیا جسمین سرخ ترا کے بدلے دہن سرخ ترا کو ردیف قرار دیکر گل و بلبل کو قافئے کے لئے انتخاب کیا گیا تھا۔ اگر کسی کی

چشم انصاف بند نہ ہو تو بھی مصحفی کی تصویر کمال کے لئے آئینہ کا کام دے سکتی ہے۔ لیکن جب ہم آزاد کے قلم کو شاہ نصیر کی تعریف و توصیف مین شورش انگیز دیکھتے ہین اور بہ شیخ مرحوم کی اوصاف نگاری کے وقت گند و شکستہ تو ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہین رہتی

منعم عبث عبث ہے گرفتار سنگ وخشت — دب جائیگا کبھی تہِ دیوار سنگ وخشت
لعل وگہر کا مرتبہ کیا جانتے ہین وہ — جو عمر بھر رہے ہین خریدار سنگ وخشت
میرے جنون کے عہد مین لڑکون کے ہاتھ سے — ثابت نہین زمین پر آثار سنگ وخشت
لڑکون کی خالی اب نظر آتی ہین جھولیان — بس ہم تلک تھی گرمی بازار سنگ وخشت
شور جنون نہ اس سے گیا ہائے مصحفی — یہ سر رہا ہمیشہ طلب گار سنگ وخشت

آغاز صبح ہجر کا انجام دور ہے — اے دیدہ اور روکہ ابھی شام دور ہے
انصاف تو کرو دل بیتاب کو مرے — آرام کس طرح ہو دل آرام دور ہے
مے پی چکون تو دیکھنا بدمستیان مری — یارو ابھی تو لب سے مرے جام دور ہے
بیٹھا ہے نقش سب کا لب یار پر درست — اِلّا کہ اس نگین سے میرا نام دور ہے
نازان ہو اسقدر نہ کمند شعاع پر — اے آفتاب اسکا لب بام دور ہے
جب سے نظر پڑی ہے اُس ابرو کی تیغ پر — سر سے ہمارے بالش آرام دور ہے
کیون مصحفی کو دیکھ کے کہتا ہے دور دور — قدرت ہوئی کہ آپ یہ بدنام دور ہے

ہو کیونکر مصحف دل کی مرے تفسیر بےمعنی — کہ دانشمند کی ہوتی نہین تقریر بے معنی
جو آیا دان سے مجھسے اُسنے کی تقریر بےمعنی — مرے خط کی تو کچھ ایسی نہ تھی تحریر بے معنی
خط اُس نے پڑھ کے میرا پھاڑ ڈالا اس بہانے سے — یہ خط لکھا ہے کس نے اسکی ہے تحریر بے معنی
نکالا قتل کرنے کو جو اُس نے مجھکو زندان سے — تو مقتل تک صدا دیتی گئی زنجیر بے معنی
لکھا ہے صاف اُس مین حالِ قتلِ عاشقِ محزون — نہین خطِ غبارِ جوہرِ شمشیر بے معنی

بے معنی ردیف اور اُس مین اسقدر صفائی کے ساتھ معنی دار شعر نکالنا اعجاز شاعری ہے۔ تیسرے شعر کے تیور دیکھئے خالص عاشقانہ حیثیت رکھتا ہے۔ جرأت کا اصلی رنگ یہی ہے جسے مومن خان کے خاندان نے متین اور ذوق کے خاندانین خصوصیت کے ساتھ داغ نے بازاری بنا دیا۔ چوتھا شعر بھی عجیب ہے ظاہرا صدائے زنجیر کو معنویت سے کوئی تعلق نہین لیکن جب اس طرف نگاہ کی جائے کہ معشوق اپنے عاشق کو قتل کرنیکے لئے زندان سے نکال کر قتل کی طرف لیجاتا ہے۔ اور اسیر

محبت کی پابجولانی کی طرف خیال بھی نہین کرتا تو صدائے زنجیر مین خودبخود معنی پڑجاتے ہین - اُستادی اسی کا نام ہے - پانچوین شعر کی ترکیب کسقدر برجستہ اور حیثیت واقع ہوئی ہے خط غبار جوہر شمشیر کا پیچ درپیچ استعارہ مرزا غالب کی شاعری کی یاد دلادیتا ہے

ہے گمان اس مصرع قد پر نہال طور کا ‏ ہون مین شاعر سو جھتا ہے مجھکو مضمون دور کا
عمر آخر مٹ گیا داغ اس دل رنجور کا ‏ صبح پیری مین اثر تھا مرہم کافور کا
کب کوئی مجھ سا ہے عاشق اُس رخ پُر نور کا ‏ چاہئے موسیٰ سا پروانہ چراغ طور کا
معنی الحق لیکو سب جہان پر کھُل گئے ‏ دار پر جسوقت سر اونچا ہوا منصور کا
اہل دنیا ثقل سے دنیا کے ہون سرگرم سعی ‏ بوجھ سر پر ہو تو جلد اُٹھے قدم مزدور کا
مان کہنے کو مرے ترک رعونت کر کہ یہان ‏ گوئے بازی بیشتر دیکھا ہے سر مغرور کا
زلف مین افشان ہے گرمی سے عرق افشان وہ رخ ‏ کیا برستا ہے شب مہ مین یہ باران نور کا
خوشون کے مانند سر سے پاؤن تک ہین آبلے ‏ آدمی ہے تیرا دیوانہ کہ نخل انگور کا
گلشن امکان ہے جائے انفعال اے باغبان ‏ سرنگون رہنا بجا ہے نرگس مخمور کا
چشم کم سے دیکھتا ہے میرے آنسو کو بھی وہ ‏ شبہ ہے دُر نجف پر یار کو بلّور کا
مصحفی چرخ مکوکب سے نہ اتنا بھی اُلجھ ‏ چھیڑنا اچھا نہین ہے خانۂ زنبور کا

دل کرون کیون کر مین اپنا نذر چشم یار کو ‏ رسم ہے آئینہ دکھلاتے نہین بیمار کو
کیا سمجھکر دل دیا تھا مین نے چشم یار کو ‏ اب جدا کیونکر کرون اس سیب سے بیمار کو
نوجوانی کھو کے یون پیری مین غفلت بڑھ گئی ‏ صبح کو آتی ہے جیسے نیند شب بیدار کو
کہکشان نے اور بھی بیقدر گردون کو کیا ‏ مول کب لیتے ہین مردم چینئ مودار کو
زہر ہے یہ ترک کر دنیا کی لذت اے حریص ‏ چوستا ہے منہ مین لے کر کیا زبان مار کو
دل جو محکم ہے نہین پروائے دور آسمان ‏ بیل کی ٹکر سے کیا ڈر آہنی دیوار کو
ہو حسینون کو مبارک غازۂ رخسار صاف ‏ دوست رکھتے ہین یہ مرے دیدۂ خونبار کو
عارضی عزت کا خواہان ہی نہین مرد فقیر ‏ کیا علاقہ ہے سر آزاد سے دستار کو
مصحفی چھوڑا در اُس کا تو نے نادان کیا کیا ‏ ہاتھ سے دیتا ہے کوئی ایسی بھی سرکار کو

دونون غزلین یہ ثابت کرنیکے لئے کافی ہین کہ تمثیل کا وہی حق شیخ مصحفی نے تمام وکمال ادا کر دیا ہے - جو مرزا سودا، شاہ نصیر، ناسخ اور ذوق کے کلام کا جوہر بتایا جاتا ہے یہان تک تو آزاد بھی تسلیم کرتے ہین کہ دیوان اُنکی اُستادی کو مسلم الثبوت

کرتے ہین انواع و اقسام کی صد ہا غزلین ہین جو غزلین سنگلاخ زمینون مین لکھی ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت مشق سے کلام پر قدرت کامل پائی تھی۔ الفاظ کو پس و پیش اور مضمون کو کم و بیش کر کے اس در و بست کے ساتھ کھپایا ہے کہ جو حق اُستادی کا ہے ادا ہو گیا ہے۔ ساتھ اسکے اصل محاورہ کو بھی ہاتھ سے جانے نہین دیتے" لیکن اپنی عادت مستمرہ کے مطابق یہ کہنے سے بھی نہین چوکے کہ ایسے موقع پر کچھ کچھ سودا کا سایہ پڑ جاتا ہے۔

مزے کی بات دیکھئے ایک طرف تو کہتے ہین کہ جو اُستادی کا حق ہے ادا ہو گیا ہے اور محاورہ بھی ہاتھ سے نہین گیا اور دوسری طرف کہتے ہین کہ کچھ کچھ سودا کا سایہ پڑ جاتا ہے۔ آخر اسکا کیا مطلب ہے اگر لفظون کے در و بست مین شیخ مصحفی نے اُستادی کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور یہ صفت درحقیقت مرزا سودا کی ہے تو پھر مرزا سودا کا پورا سایہ کیون نہ تسلیم کیا جائے۔ اور اگر کچھ کچھ سایہ پڑا ہے تو اسکی دو صورتین ہو سکتی ہین یا تو آزاد نے سمجھنے مین غلطی کی یعنی شیخ مصحفی مرحوم نے مرزا سودا کی طرح استادی کا اصلی حق ادا نہین کیا اور یہ بالکل غلط ہے یا مرزا سودا خود اس درجہ تک نہ پہونچے تھے جہان اُستادی کا حق ادا ہوتا ہے اس صورت مین اس فقرہ کا یہ مطلب ہوگا کہ سودا نے اُستادی کا حق تو ادا نہین کیا البتہ الفاظ کے در و بست مین انہون نے پوری کوشش سے کام لیا اور شیخ مصحفی نے مرزا سودا کی تقلید بھی کی اور اُستادی کا حق بھی پورا پورا ادا ہو گیا۔

جن ردیف و قوافی مین دونون باکمال اُستادون کو طبع آزمائی کا موقع ملا ہے بہت خفیف تامل کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ مرزا سودا کو شیخ مصحفی کے مقابلے مین کوئی خاص برتری حاصل نہین بلکہ اکثر مقامات پر شیخ مصحفی مرحوم کی فصاحت زبان مرزا سودا کی قدیم اُردو سے اس طرح ممیز نظر آتی ہے جس طرح متفرق رنگ کے پھولون سے سجائے ہوئے گلدستے مین گلاب کا پھول مثلاً:-

کبھی مین بات بن روئے نہین کی اُس سے پر اُن نے	نہ پوچھا یون سبب کیا ہے ترے ہر بار رونے کا	سودا
ہنسی آتی ہے تیری بات پر اے مصحفی مجھکو	نہ کر تو ذکر میرے سامنے ہر بار رونے کا	مصحفی

مرزا سودا کے شعر مین رو کر بات کرنا طفلانہ حرکت سے کم نہین دوسرے مصرعہ مین یون زائد ہے شیخ مصحفی کا شعر بالکل سانچے مین ڈھلکر نکلا ہے ہر بار رونے کا ذکر سنکر ہنسی آنا فطرت سے کسقدر قریب ہے۔

جو منکو اُس سے کرتا ہے کوئی غمخوار رونے کا	تو کہتا ہے کہ چپ رہ ہے اُسے آزار رونے کا	سودا
معالج ہو سکے اب کیا کوئی غمخوار رونے کا	کہ ان آنکھون کو اک مدت سے ہے آزار رونیکا	مصحفی

مرزا سودا کے شعر مین رونے والے کی تخصیص نہین ہے مگر شیخ مصحفی نے آنکھون کو رونے کا آزار دیکر اعتراض کی گنجائش نہین چھوڑی۔

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا	پہونچے کب اسکو ہاتھ ہمارے غبار کا	سودا
کرے صبا طواف ہمارے مزار کا	پائیگی پھر نشان بھی نہ مشت غبار کا	مصحفی

مرزا سودا نے نہایت اچھی بات کہی ہے جب صبا ہی دامن نہ چھو سکے تو غبار کا ہاتھ کیسے پہونچ سکتا ہے کیونکہ غبار کی رسائی کا

ذریعہ تو صرف صبا ہی ہے لیکن شیخ مصحفی نے بھی غضب کر دیا، پہلے مصرعہ کی ترکیب کسقدر ریز زور ہے۔ اپنے بے نشان ہونے کی اطلاع ایسے پیرایہ مین دینا کہ جیسے صبا کا اس مین مطلق ہاتھ نہ ہو گا ایک کمال شاعرانہ ہے مشت غبار کی ترکیب بھی لطافت سے خالی نہین

خونِ جگر شراب ، ترشح یہ چشم تر ساغر مرا گرو نہین ابر بہار کا سودا
کچھ دیر ہے رہائی مرغ اسیر مین جائے ابھی چمن سے نہ موسم بہار کا مصحفی

مرزا سودا کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی شراب خواری کیلئے ابر بہار کے محتاج نہین ہین ہمارے لئے خون جگر شراب ہے اور چشم تر بارش اسمین شک نہین کہ بات پیدا کی ہے لیکن تغزل سے بالکل علیحدہ تھی۔ شیخ مصحفی کا شعر بہترین نمونہ تغزل کا ہے۔

چھوٹا جو زلف سے تو پھنسا دام خط کے بیچ یہ مرغ دل ہمیشہ گرفتار ہی رہا سودا
مانند مرغ قبلہ نما مرغ دل مرا نکلا نہ آشیان سے گرفتار ہی رہا مصحفی

مرزا سودا کا شعر معمولی مضمون خال وخط مین الجھا ہوا ہے لیکن شیخ مصحفی نے مرغ دل کی گرفتاری کا نیا پہلو پیدا کیا اور اُسے مرغ قبلہ نما کہہ کر میعاد قید کی اسقدر توسیع کر دی کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھی

کیا فائدہ کہ درپے تحقیق ہم رہین ملنے سے جبکہ ہم رہے پھر تو کہین رہا سودا
یاران تیز رو تو سب آگے نکل گئے اللہ رے ضعف اُن سے مین پیچھے کہین رہا مصحفی

دونون شعر جداگانہ حیثیت رکھتے ہین تاہم مرزا سودا کا مضمون مبتذل ہے اور شیخ نے اپنی متانت و ثقاہت کو برقرار رکھا ہے

نکلا کسی ہی طرح نہ دل سے ترے غبار سودا سے تو تو یار صدا شرگین رہا سودا
ہرگز ہوا نہ کام مرا ایک دن تمام مین نیم کشتۂ نگہ شرمگین رہا مصحفی

مرزا سودا کا پہلا مصرعہ فصاحت سے بالکل بعید ہے "کسی ہی طرح سے" ان بارہائے فصاحت مین سے ہے جن کی بنا پر آزاد نے اُنکو "افصح البیان" کا تمغا عنایت کیا ہے۔ شیخ مصحفی کے شعر کو دیکھئے ستارہ کے مقابلے مین آفتاب معلوم ہوتا ہے "نیم کشتۂ نگہ شرمگین" کی ترکیب کسقدر پاکیزہ واقع ہوئی ہے

اب کے بھی دن بہار کے یون ہی چلے گئے پھر پھر گل آچکے پہ صنم تم بھلے گئے سودا
تم رات وعدہ کرکے جو ہمسے چلے گئے پھر جب سے خواب مین بھی نہ آئے بھلے گئے مصحفی

اے شمع دل گداز کسی کا نہ ہو کہ شب پروانہ داغ تجھسے ہوا ہم جلے گئے سودا
آتش مین عشق وشوق کی مانند چوب خشک جب تک کسی نے ہم کو جلایا جلے گئے مصحفی

سودا — مُحرم ہون مین تو کہہ دو مکافات کے لئے | منہ مین خدا نے دی ہے زبان بات کیلئے
مصحفی — تم وان گئے کسی کی ملاقات کے لئے | ہم یان تڑپ کے رہ گئے اک بات کیلئے

غالبًا یہ چند مثالین اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہین کہ شکوہ الفاظ، بلندی خیال، چستیٔ ترکیب وغیرہ جملہ اوصاف عالیہ مین شیخ مصحفی مرزا سودا سے کسی طرح کم نہین ہین۔ اور میر و مرزا دونون باکمال استادون کے اوصاف کمال کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے اُنھون نے

حسد کی جا نہین اے مصحفی کلام اُن کا | کہ اپنے عہد کے مرزا و میر ہم بھی ہین

کہدیا تو کوئی مبالغہ نہین کیا بلکہ امر واقعہ کا اظہار تھا۔

افسر امروہوی

کیمیائی اثر

کایا پلٹ ہیر آیل

حیرت انگیز معجزہ

کہنے کو صرف تیل ہی لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے اکسیر کو بھی مات کرتا ہے۔ یہ تیل نہایت قیمتی و نادر الوجود نباتاتی و کیمیاوی اجزا سے جدید اصول پر طیار کیا گیا ہے جسکی تصدیق بڑے بڑے سائنسٹ لوگ کر چکے ہیں۔ اسکے فواید کی تفصیل مختصر اشتہار مین ناممکن ہے مختصرًا یون سمجھ لیجئے کہ گھر مین اسکی ایک شیشی رکھنا گویا بہت سے امراض کو دفع کر دینا ہے۔

اگر:۔ سر یا چندیا کے بال گر گئے ہین یا گر رہے ہین۔ یا بالخورہ اور گنج ہو گیا ہے۔

اگر:۔ نزلہ درد سر یا شقیقہ، دوران سر، ضعف دماغ و ضعف بصر، بے خوابی یا نسیان کی شکایت ہے۔

اگر:۔ سر اور جسم کی پھوڑیان، پھنسیان، گرمی دانے، خارش یا دیگر امراض جلدی کا دفع کرنا مقصود ہے

اگر:۔ کنٹھ مالا۔ سل اور دق وغیرہ سے محفوظ رہنا ہے۔

تو ——— ان سب کا واحد علاج **کایا پلٹ ہیر آیل ہے**

جو نہ صرف خوشبو بلکہ اپنی مقدار و وزن کے لحاظ سے بھی بازار کے تمام خوشبودار تیلون سے اچھا اور ارزان ہے
ڈاکٹر تیج بہادر لکھنؤ سے اپنی تحریر مین تصدیق فرماتے ہین کہ اس تیل کے فواید اشتہار کے مطابق پائے گئے ہین
اور مرزا جعفر علی خان صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر رائے بریلی نے دوامی آرڈر ہر ماہ ایک شیشی کا دیدیا ہے۔
مولانا نیاز فرماتے ہیں کہ بیگم نیاز کے تمام گرے ہوئے بال از سر نو پیدا ہو رہے ہیں اور بہت گھنے

جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ضروری ہے

قیمت معہ محصول ——— (۸؍)

منیجر کایا پلٹ ہیر آیل لکھنؤ

چند دن لکھنؤ سے باہر

میرا لکھنؤ سے باہر جانا گویا "ہفتخوان" طے کرنا ہے۔ وہی عزم واہتمام، وہی نشرواعلان اور وہی "رستمانہ" جرات وبسالت کا اظہار ـــــ لیکن فرق یہ ہے کہ اُس کو "فردوسی" ایسا شاعر مل گیا تھا اور مجھے یہ خدمت خود انجام دینا پڑتی ہے ـــــ اور وہ بھی بلا لغہ! کتنا تفاوت ہے!! سفر "وسیلۂ ظفر" ہو یا نہ ہو، لیکن اس کا "مشق نظر" ہونا یقینی ہے اور میرا دل اسدرجہ "لبریز بصیرت" ہے کہ "بصارت" سے بھی کوئی خلاف معمول کام لینا مجھے مشوش کر دیتا ہے ـــــ پھر اسی کے ساتھ ایک اہم سوال "سیاسیات خانگی" کا ہمیشہ یہ بھی پیش آجاتا ہے کہ اِدھر مین نے کہین جانے کا ارادہ کیا اور اُدھر ایک فیصلہ کن انداز سے بیگم بولین کہ "مین بھی چلونگی۔ کوئی وجہ نہین کہ مرد جہان چاہے آزادی سے سیر کرتے پھرین اور عورتین ایک ہی قسم کی صبح وشام بسر کرنے پر مجبور رہون" ـــــ ممکن ہے وہ یہ صرف تفریحاً و مزاحاً کہتی ہون، لیکن انکا لب ولہجہ اسقدر سنجیدہ ہوتا ہے کہ مجھے بالکل "باب الاستفسار" کی طرح اسپر غور کرنا پڑتا ہے۔ اس مرتبہ بھی یہی ہوا اور مین نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ "بیشک عورت آزاد ہے اور آپ آزادی کے ساتھ جہان جی مین آئے جا سکتی ہین، لیکن میرے ساتھ چلنے مین آپ کو پھر وہی پابندی رہیگی اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے ساتھ نہ چلئے بلکہ اگر مین مغرب کی طرف پشاور جاتا ہون تو آپ مشرق کی جانب کلکتہ جائے، اگر قسمت مین پھر ملاقات لکھی ہے تو ہو ہی جائے گی ورنہ خیر، اللہ مالک ہے۔ مگر ہان دیکھئے اپنا پتہ ضرور لکھئے گا تاکہ کبھی کبھی خط وکتابت تو ہو سکے" یہ سنکر وہ چین بپیشانی سے برہمی کا اظہار کرتی ہوئی چلدین لیکن دوبارہ کچھ سوچکر اس طرح بپھری ہوئی آئین گویا کوئی خاص کامیاب صورت انتقام کی ذہن مین آگئی ہے بولین "یہ آپ پانچ دن کے لئے گھر کا سارا سامان تو ساتھ لئے جاتے ہین، لیکن یہ یاد رہے کہ ایک ایک چیز میری نگاہ مین ہے۔ اُس مرتبہ رُدولی گئے تو اونی ٹوپی جس کو مین تین دن کی محنت سے ڈھائی روپیہ کا اون صرف کرکے بنا تھا، خدا معلوم قوال کو دے آئے یا کیا کی، اس مرتبہ یہ سب گرم کپڑے کھو کر آنا۔ مین کہتی ہون کہ یہ گھر سے باہر نکلنے کے بعد مرد اپنے آپ مین کیون نہین رہتا ـــــ بیوی گویا عذاب ہے جس سے چھٹنے کی خوشی مین سر و پا کا ہوش نہین رہتا ـــــ کچھ سُنا آپ نے"، ـــــ مین نے عرض کیا کہ "اسی لئے تو مین کبھی آپ کو اپنے ساتھ نہین لیجاتا کہ نسیان غالب ہے، چیزین ہمیشہ بھول جاتا ہون، اگر خدانخواستہ آپ کو کھو بیٹھا تو پھر کیا ہوگا ـــــ" الغرض سفر سے ایک ہفتہ قبل "ذکر سفر" کے سلسلہ مین اس نوع کا مکالمہ بھی کبھی کبھی ضرور ہو جاتا تھا

۱۶ دسمبر سے غالباً دس دن قبل اس "سفر" کے آثار اول اول مولوی غلام ربانی عزیز بی اے کیمبلپوری کی ایک تحریر سے پیدا ہوئے جس مین انھون نے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا تھا اور جس کی تعبیر ناممکن تھی جب تک مین وہان نہ پہونچ جاتا اس سلسلہ مین یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ مولوی عزیز میرے اور نگار کے اُن چند مخلصین مین سے ہین کہ اگر ان حضرات کا

وجود نہ ہوتا تو میرے دل کی "سرشاریان" اور نگار کی "پُرکاریان"، شاید اس حد تک نہ پہونچ سکتین ــــ ۱۹۲۹ء کے آخری دن، کام کا ہجوم، نئے سال کی طیاریان، جنوری کے "عظیم الحجم" رسالہ کی ترتیب وطباعت، پریس، دارالاشاعت اور نگار کے سالانہ حساب کی تنقیح، آیندہ لائحہ عمل کی تعیین و تشکیل، رسالۂ جن کی ترتیب وتوسیع اشاعت کی فکر اور پھر ان سب پر طرہ زمہریری سردی ــــ کبھی کبھی سوچتا تھا کہ اس زمانہ مین، پشاور کی طرف کا عزم کہین ایسا تو نہین کہ میری مٹی کھینچے لئے جارہی ہو بہرحال منیجر نگار کو تمام کاروبار تفویض کرکے اور ایام غیر حاضری کا پورا پروگرام اس طرح طیار کرکے گویا کہ وہ کوئی "وصیت نامہ" تھا، مین ۱۶/ دسمبر کی رات مین ٹھیک ۹ بجے گھر سے روانہ ہو گیا۔

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرساہا

سفر کی کئی قسمین ہین، ایک سفر تو وہ "بیک بینی و دو گوش" والا سفر ہے جو آدم کو جنت سے کرنا پڑا تھا اور جسے "دلے بر اندش" بھی کہتے ہین، دوسری قسم سفر کی وہ ہے جو نپولین، ہنی بال، سکندر، چنگیز اور ہلاکو کیا کرتے تھے اور جسے "زلزلۃ فی الارض" کہنا زیادہ موزون ہے، تیسری صورت سفر کی وہ ہے جو ابراہیم ادہم اور بودھ نے اختیار کیا تھا کہ اس سے مقصود "نفس کشی" یا "اصلاح نوع انسانی" تھا، چوتھی صورت سفر کی وہ ہے جو کاروباری ایجنٹ یا تاجر کرتے ہین، پانچوین صورت اُس جہان گردی کی ہے جو فسیروا فی الارض کے ماتحت آجکل امریکہ کے دولتمند لوگ کیا کرتے ہین، چھٹی قسم وہ ہے جسے "یارے برخوردار از وصل یارے" کہتے ہین، ساتوین وہ "مفقود" قسم سفر کی ہے جو فرہاد و مجنون کو کرنا پڑتا تھا۔ "مفقود" اس لئے کہ اب "نہ وہ عشق مین رہین گرمیان، نہ وہ حسن مین رہین سردیان" ــ ایک، آخری قسم سفر کی اور ہے جسے "سفرِ آخرت" کہتے ہین اور جسکی تفسیر و تشریح رسالۂ جن مین ہوا کرتی ہے ــــ لیکن یہ سفر ان تمام قسمون سے الگ قسم کا تھا یعنی اگر وہ "دنیادارانہ" و "اخلاقانہ" نہین تھا تو اس مین شک نہین کہ جون جون مین آگے بڑھتا جارہا تھا شدت برودت سے اُس مین "جانبازانہ" کیفیت ضرور پیدا ہوتی جارہی تھی

۱۷/ کی صبح کو جب آنکھ کھُلی تو معلوم ہوا کہ ٹرین سہارنپور اسٹیشن پر کھڑی ہے جو یوپی کے حصۂ "مستدرکات" کا صدر مقام ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے عازمان پنجاب کو وہان کے لب و لہجہ سے آشنا کرنے مین کافی مدد پہونچاتا ہے۔ ٹرین مین بیٹھے رہنے کا جہانتک تعلق ہے یہ سفر نہایت ہی خشک (Barren) ثابت ہوا اس لئے مین جزئیات سفر سے بحث نہ کرونگا، مختصراً یون سمجھ لیجئے کہ دن بھر لحاف کے اندر نہایت آرام سے لیٹا رہا اور کھڑکیان بند کئے ہوئے پان کھاتا رہا یا کتاب پڑھتا رہا۔ چونکہ آجکل "جن" کا بھوت سر پر سوار ہے اس لئے کتاب بھی ڈنس براڈلے کی (Towards the stars) تھی۔ شام کو جب لاہور اسٹیشن پر اختر شیرانی، رفیعی اجمیری اور غلام رسول مہر سے ملاقات ہوئی تو "یارائے گفتگو" بھی عود کر آیا ورنہ گزشتہ ۲۲ گھنٹے کے دوران مین ایک بار بھی لبون کو جنبش دینے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔

اختر راجپوتانہ کے ایک قصبۂ شیران کے رہنے والے ہین۔ چونکہ ہندوستان مین راجپوتانہ بھی وہ حصہ ہے جو

عرب کی عشق خیز سرزمین - نجد و تہامہ - کے جواب مین پیش کیا جا سکتا ہے، اس لئے ناظرین نگار کو حیرت نہ کرنا چاہئے اگر قیس عامری کی لیلی کی طرح انھون نے بھی ایک سلمی پیدا کر لی ہے اور اگر حقیقت کو مستور رکھا جائے تو بھی یہ حقیقت اُن کی شاعری سے ظاہر ہے کہ جس طرح سرزمین نجد نے ایک بڑا عظیم الشان عاشق مہجور (قیس) پیدا کیا، اسی طرح راجپوتانہ کی بے آب و گیاہ فضا نے بھی ایک زبردست محروم وصال غرامی (اختر) کو پیش کیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ لیلی مجنون کی حکایت سے ساری دنیا واقف ہو گئی اور اختر و سلمی کی درد مند یان فسانہ نہ بن سکین۔

نہ دنیا مین ہوا مشہور، ورنہ اک فسانہ تھا
مرے دل کا ہلاک جلوۂ مستور ہو جاتا

اس مین شک نہین کہ اختر اُن نوجوانون مین سے ہین جنھین طفل برباد (spoiled child) کہتے ہین لیکن یہ کم لوگون کو معلوم ہے کہ بعض ہستیان سنورتی ہی ہین برباد ہونے کے بعد اور زمانہ انھین بگاڑ رہا ہے بنانے کے لئے۔ اختر کی، شاعرانہ افتاد مزاج، انکا والہانہ رنگ طبیعت، انکی وارستہ مزاجی، وارفتہ طبعی، اور ہر وہ ادا جو ایک ذہانت نبوغ، فطانت ادب، احساس شعر، اور اعتراف جمال کے ذوق کے ساتھ ساتھ نشو و نما پا کر صحیح معنی مین جوانی کے مفہوم کو متعین کرتی ہے، ایک شخص کو بہ اول نظر پوری طرح فریب مین مبتلا کر دینے والی ہے، لیکن جیسا کہ میرا تجربہ ہے، ایسی ہستیون کا غایر مطالعہ ہمیشہ ایک سخت ٹریجڈی ثابت ہوتا ہے اور بہت سے وہ چہرے جو بظاہر متبسم معلوم ہوتے ہین، حقیقتاً اشک سے داغدار ہوتے ہین، اختر بظاہر نوجوان ہین، نشاط کا موسم رکھتے ہین مرادون کے دن کے مالک ہین، لیکن مین دیکھتا ہون کہ یہ غریب اپنے آلام روحانی کی چھپانے کے لئے "یک گونہ بیخودی" قایم رکھنے پر بھی پوری طرح قادر نہین ہے۔ ممکن ہے اختر کی شاعری مین لوگون کو کیف نشاط نظر آتا ہو، لیکن میرے نزدیک وہ سخت المناک ہے۔ افسوس ہے کہ وہ لوگ جنکی زندگی "شاہد و شعر و ست و شراب و شکر" کے ماحول مین بسر ہونی چاہئے ان پر "فریاد زبیچارگی و خستہ درونی" کا ماتم کرنا پڑتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اختر شیرانی کی نظم و نثر نے اُن کی تشویش ذہنی کی وجہ سے ابھی تک اُس رنگ کو اختیار نہین کیا جو سکون دماغ کا نتیجہ ہوا کرتا ہے میرے سامنے انکا ادبی مستقبل بہت گرانمایہ ہے، جس کو "شان ماضی" سے کوئی واسطہ نہ ہوگا

رفیعی اجمیری (جن کے نام کو مین آجتک صحیح طور پر انگریزی مین نہین لکھ سکا) سرزمین راجپوتانہ کی زیارتگاہ عام (عوام؟) کی پیداوار ہین جسے لوگ اجمیر شریف کہتے ہین۔ اس سے قبل مین نے ان کو بھوپال مین اس وقت دیکھا تھا جب یہ باندازۂ شش سال زیادہ بچے تھے۔ مین نے بچہ اس لئے کہا کہ اب بھی باوجود "مرد بست و چہار سال" ہونے کے "دران دیار کہ زادی ہنوز آنجائی" کا رنگ ان پر غالب ہے۔ ان کے افسانہائے شباب سے مجھے آگاہی نہین ہے، لیکن ان کی فطری شرافت نفس اور اُس حریری جانماز اور ریشمی قسم کی تسبیح کو دیکھتے ہوئے (جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتی ہے اور جنکی بر بنائے "اجمیریت"، کبھی کبھی نمایش بھی ہو جاتی ہے) کہا جا سکتا ہے کہ ابھی تک انکی کارگاہ نشاط "چند تصویر بتان چند حسینون کے خطوط"

سے آگے نہین بڑھی، ہرچند زیبایش و آرایش کا اہتمام، "دعوتِ برگ و نوا" اور "نویدِ حسنِ مدعا" ضرور ہے۔

حضرت رفیعی اجمیر کے ایک ایسے معزز و بارسوخ خاندان سے متعلق ہین جس کے افرادِ قدیم کی داستان تاریخ ہندمین "زکاشی تا بہ کاشان نیم گام ست" کی داستان ہے، لیکن یہ خود اُس کے دورِ انحطاط کی یادگار ہین اور اس لئے بجائے سیف کے صرف قلم کے مالک ہین

افسوس ہے کہ افکارِ زمانہ اور ان کی لاأبالی فطرت نے اس کا موقعہ نہین دیا کہ اُن کے "قوائے کامنہ" بروئے کار آجاتے، ورنہ فطرت نے اُن کے دماغ مین "صلاح" کی وہی اہلیت پیدا کی تھی جو "فساد" کی ابلیس کے دماغ مین لیکن فرق یہ ہے کہ وہ کامیاب ہوگیا اور یہ ناکام ہین۔ ان کی طبیعت کا جوہر ابداع، ان کے دماغ کا ذوقِ اختراع ان کے ذہن کی رسائی، ان کے فکر کی جدت و ندرت اور سب سے زیادہ ان کی قوتِ حافظہ، فطرت کی وہ ودیعتین ہین، جن مین سے ہر ایک مستقل دولت ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ دولت مند انسان، یہ اپنے وقت کا "ادبی قارون" بہت کم ان عطیاتِ قدرت سے کام لیتا ہے۔ نظم و نثر دونون خوب لکھتے ہین، انگریزی فارسی دونون زبانون مین اچھی دستگاہ حاصل ہے، لیکن جب دیکھئے چاء، چاء! صبح چاء، شام چاء، رات چاء، دن چاء —— چاء نہ ہوئی، "وحدت الوجود" ہوکے رہگئی کہ سوائے "پندارم توئی" کے اور کچھ نظر ہی نہین آتا

لیکن باوجود ان تمام خوبیون کے اختر و رفیعی کے ایک عیب اور بدترین عیب کو بھی ظاہر کردینا چاہتا ہون (خفا ہون تو ہون) کہ جب شام کو لاہور اسٹیشن سے انکا کوئی دوست گزرتا ہے تو اُس کی تواضع وہ صرف بازار کی معمولی پوریون ہی سے کرتے ہین —— اور اس کو اپنی زندگی کا بڑا کارنامہ سمجھتے ہین۔

ان کے ساتھ مولانا غلام رسول مہر بھی تھے جن کے شناسائی کا فخر مجھے اس سے قبل حاصل نہین ہوا تھا۔ آدمی نہایت ہی سنجیدہ اور متواضع ہین لیکن خطرناک حد تک خاموش

۸ار دسمبر کی صبح آٹھ بجے آنکھ کھلی تو دفعۃً ٹکسیلا اسٹیشن نظر آیا اور فانوس خیال کی ایک سُبک مگر سریع گردش کی طرح تمام وہ منقوشات میرے سامنے آگئے جو اس مقام کی تاریخی اہمیت کے متعلق میرے دماغ مین منقوش تھے

سب سے پہلے وہ عہد میرے سامنے آیا جب آریہ قوم کے اولوالعزم نوجوانون کی جماعت وسط ایشیا سے چلکر یہان پہونچی ہوگی اور اس نے دریائے ہیرو (Haro) سے شاداب رہنے والی سرسبز وادی کو (جو عبارت ہے سرزمین ٹکسیلا سے) اپنے قیام کے لئے منتخب کیا ہوگا اس کے بعد تمدن قدیم کے اُس دورِ زرین کا منظر سامنے آیا جب یہان ایک نہایت وسیع و آباد شہر قایم تھا اور وادی گنگ کے جاترین، وسطِ ایشیا کے تاجرون، یونان کے سوداگرون اور ایرانی عمال کا باہم کھوے سے کھوا یہان چھلتا تھا۔ اسی کے ساتھ مجھے ۳۲۶ سال قبل مسیح کا وہ زمانہ یاد آیا جب راجہ ٹکسیلا نے اپنے دوسرے ہمعصر راجہ کی بڑھتی ہوئی قوت

قیام لاہور کا ایک دن (۲۰ دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء)

اختر شیرانی

رفیعی اجمیری

سے برہم ہو کر (جو دریائے جھیلم کے مقابل ساحل پر حکمران تھا) مقدونیہ کے فاتح اعظم، اسکندر کو حملہ کی دعوت دی اور یہ اپنے چمکیلے خود (Helmet) وسیع ڈھال اور لانبے نیزے رکھنے والی فوج کے ساتھ یہان داخل ہوا۔ اس وقت سرزمین ٹکسیلا یونانی سپاہ کے فنون حرب کی نمائش اور قربانیون کے لئے وقف تھی یا ان مہیب مہمانون کے خاطر مدارات مین محافل عیش و نشاط کے لئے مخصوص۔ اسکندر اعظم ٹکسیلا کے بازار مین دربار منعقد کرتا ہے اور سپاہ کو حکم دیتا ہے کہ اپنے گھوڑے دریائے جھیلم مین ڈالدے۔ پاروا خاندان کا شاہزادہ عفریت پیکر ہاتھیون کی فوج لیکر مقابلہ مین آتا ہے لیکن سکندر کی فوج کے سوار اپنے آتشین تیرون سے اس دیوار کو چلنی کر دیتے ہین اور راجہ گرفتار ہو کر سامنے آتا ہے اسکندر دریافت کرتا ہے کہ "تم کس سلوک کے متوقع ہو" اس نے جواب دیا کہ "مین شاہانہ سلوک چاہتا ہون"۔ یہ مغلوب راجہ تاریخ ہند مین راجہ پورس کے نام سے مشہور ہے اور یہ جنگ جو سرزمین ہند کی نہایت مہتم بالشان جنگ سمجھی جاتی ہے اسی ٹکسیلا کے وجہ سے عمل مین آئی۔ اس کے بعد جب سکندر فاتحانہ علم اڑاتا ہوا، بابل مین پہونچتا ہے اور وہان مسموم تپ مین مبتلا ہو کر مرجاتا ہے تو اس کے مشرقی فتوحات پر چندر گپت حملہ آور ہوتا ہے اور یونانی سپاہ کو ٹکسیلا سے نکال کر اُسے اپنی سلطنت کا ایک صوبہ قرار دے لیتا ہے۔ اس کے بعد جب اشوک یہان کا صوبہ دار بنکر آتا ہے تو بودھ کی تعلیمات رائج ہوتی ہین اور بودھ کا وہ معجزہ ظاہر ہوتا ہے جس کی یادگار مین کنال توپ قایم کیا گیا تھا۔ کنال، راجہ اشوک کا لڑکا تھا جس سے اس کی سوتیلی مان کو عشق ہو گیا تھا۔ لیکن جب اس نے اس ناپاک و شرمناک محبت کو ٹھکرا دیا تو اس عورت نے انتقام لینے کے لئے راجہ اشوک کے سامنے اس کو متہم کیا اور اس جرم مین باپ نے بیٹے کی آنکھین نکلوا کر ملک بدر کرا دیا۔ جب ایک زمانہ گزرنے کے بعد راجہ اشوک نے ایک اندھے بھکاری کو صرف اس کی بانسری سنکر یہ معلوم کیا کہ وہ اس کا وہی مظلوم بیٹا ہے تو بودھ کی دعا سے پھر اسکی بصارت عود کر آئی اور اسی وقت یہ ٹوپ قایم کیا گیا جسے ۱۳ سو سال قبل مشہور چینی سیاح ہیان ٹسانگ نے شہر سرکاپ کے کنارے ایک پہاڑ پر دیکھا تھا

اس کے بعد پھر حالت بدلتی ہے اور شمال مغرب کی طرف سے حملہ کرنے والے پھر موریا خاندان کی حکومت کو یہان قایم کر دیتے ہین یہ حملہ کرنے والے بلخ کے اُن مستعمرات سے متعلق تھے جو عہد سکندر مین قایم ہوئی تھین اور جن کو شمال سے آنے والی قومون نے بھگا کر پنجاب کے شمال تک پہونچا دیا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب بودھ کی ضمنیات کا یونانی آرٹ سے امتزاج ہوا اور گندھرا اسکول بُت تراشی کا پیدا ہوا جس کے نمونے لاہور، ٹکسیلا اور پشاور کے حفریات (Excavations) مین بکثرت دستیاب ہو رہے ہین۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ جوار عرصہ تک مذہبی زیارتگاہ بنا رہا جہان تمام اکناف ہند اور سرزمین چین سے جاتری اور سیاح آتے تھے اور اپنے پیغمبر (بودھ) کی یادگارون سے دل و دماغ کو سکون پہونچاتے تھے۔

اس کے بعد اس سرزمین کی ترقی کی عمر ختم ہونے کو آئی تو سفید فام ہن (Hun) اپنی تمام بربادیون، غارتگریون اور مسماریون کے ساتھ آئے اور آخر کار ٹکسیلا کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اس کو صرف ایک تودۂ خاک مین منتقل کر دیا جو ابتک اسی حالت مین ہے اور غالباً رہیگا

مین دیر تک انقلاب زمانہ اور دہر کی بوقلمونی کے ان حسرت انگیز مناظر پر غور کرتا رہا اور گھنٹوں سوچتا رہا کہ جس مقام پر اس وقت مین ہون، ممکن ہے کسی زمانہ مین سکندر اسی طرف سے گزرا ہو، یہین اس کی فوج نے قیام کیا ہو، اسی مقام پر بودھ نے رات بسر کی ہو اور یہین اس کے بہت سے پوجاریون نے اپنی نغمہ ہائے عبودیت فضا مین بلند کئے ہون - جب ساڑھے دس بجے ریل کمبلپور پہونچی تو مین چونکا اور اُن خلوص پرور آغوشون مین پہونچکر (جن کے لئے انسانی روح ہمیشہ تڑپتی رہی ہے اور تڑپتی رہیگی) یہ سب کچھ بھولکر اُس عالم مین پہونچ گیا جس کے تاثرات و کیفیات کچھ اور تھے - فضا ابر آلود تھی اور خنکی کی شدت تاب گسل، جب یکسر پیکر صدق و صفا (مولوی غلام ربانی عزیز) اور مجسمۂ لطف و کرم (مولوی غلام جیلانی برق) کی گرمجوشیون سے دوچار ہوا

کمبلپور پنجاب کا ایک چھوٹا سا ضلع ہے جہان سے صوبۂ سرحدی کے خطوط شروع ہوتے ہین - یہ مقام بھی '' زائیدۂ برطانیہ '' ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اور کوئی تاریخی اہمیت نہین رکھتا، لیکن اپنی جائے وقوع، دلکش ماحول، اور صحت بخش آب و ہوا کے لحاظ سے یقیناً اس قابل ہے کہ اگر '' غم روزگار '' فرصت دے تو سال مین چند ہفتے '' سیر درد آمود '' کے سکون کے لئے یہان بسر کرے - ہمالیہ کی برف پوش چوٹیون کا دلکش نظارہ، سرسبز وادی کے فرح بخش نشیب و فراز، حدِ نظر اور مدِ بصر تک سکون پرور فضا، یہ ہین وہ خصوصیات اس جوار کی جن کی زیارت کا یہ سب سے پہلا موقعہ تھا یہ وقت مین لکھنؤ اور اس کے ماحول سے سیکڑون میل دور تھا اور میرے لئے یہان کی آبادی، یہان کے انسان یہان کے آسمان و زمین الغرض یہان کی ہر ہر چیز بالکل نئی تھی لیکن چونکہ تھا اُس مجمع مین جس کے چہرون سے خلوص و صداقت ٹپک رہی تھی، جو والہانہ انداز سے مجھ ایسے ناکارہ انسان کی پذیرائی مین مصروف تھے، اس لئے مین ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے رُوح اپنے '' حیز اصلی '' تک پہونچگئی ہے اور مین اسلام کی موعودہ بہشت کی معصوم و پاک فضا مین آگیا ہون

مولوی غلام ربانی عزیز بی اے - مولوی غلام جیلانی برق بی اے، یہان نارمل اسکول مین مُعلّم بھی ہین اور دار الاقامہ کے ناظم بھی، اُردو کی تعلیم اور طلبہ کی دماغی تربیت انھین حضرات کے سپرد ہے اور مجھے یہ دیکھ کر کسقدر مسرت ہوئی کہ اس خدمت کے لئے حقیقتاً کسقدر موزون و مناسب ہستیون کا انتخاب کیا گیا ہے - اہل پنجاب کے متعلق میرے تجربات جو کچھ بھی ہون، لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ جب تک ترقی تمدن کی خرابیان اس قوم مین پیدا نہ ہون یہ قوم اسقدر معصوم، نیک اور سادہ دل ہے کہ ایک شخص نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ ان پر اعتماد کر سکتا ہے - جوش و ولولہ، عزم و ارادہ، محنت و جفاکشی اس جماعت کی خصوصیت خاصہ ہے جس نے ان کو '' زندہ دل '' خطاب کا مستحق بنا دیا ہے، لیکن جس حد تک جمالیاتی تخلیق دماغ کا تعلق ہے، اِن کی فطرت بجائے لچیلی (Elastic) ہونے کے زیادہ ترخستہ ([illegible]) نظر آتی ہے - آپ جب تک آرٹ کے لطیف پہلو سے صرف لطف اُٹھا رہے ہین پنجابی بہت دلچسپ جلیس ہے لیکن جہان آپ نے

آرٹ کے نقوش جمال سے بحث کرکے اُس کی فطرت کو بچک دینا چاہی اور وہ وہین سے ٹوٹی۔ ایک پنجابی بہترین عامل ہے لیکن مُفکر نہین
کام کرنے کے لئے اس کی آستینین ہر وقت چڑھی ہوئی ہین، لیکن فکر ورائے کا سوال آیا اور اُس پر تحیر طاری ہوا، وہ سادہ ہین
لیکن "پُرکار" نہین، وہ ذہین اکثر ہین لیکن "نابغہ" کمتر، وہ ذراسی بات مین ممنون ہو جانے والی اور بہت کچھ کرکے
بھی دوسرون کو ممنون بنانے سے سیر نہ ہونے والی فطرت رکھتے ہین۔ اُن کی مہمان نوازیان تقاضائے تمدن نہین بلکہ تقاضائے
فطرت کی بنا پر ہوتی ہین اور وہ نہایت آسانی سے اپنا دل کھولکر سامنے رکھدیتے ہین

مین نارمل اسکول کے دار الاقامہ مین مقیم تھا جہان ایک سو سے زاید معلم طالب علم رہتے ہین اور اس لئے ہر وقت
ان کے جذبۂ ایثار رکھنے والے قلوب کے اثرات سے متاثر رہتا تھا میرے ساتھ ان لوگون کی شیفتگی کا بڑا سبب مولانا عزیز
کی عنایت ہے جنھون نے نگار اور میرے تصنیفات کو ان لوگون کی تعلیم کا جزو لازم قرار دیدیا ہے۔ مولانا عزیز نے پہلے ہی مجھے
ذریعۂ تار اطلاع دیدی تھی کہ مجھے ایک لکچر بھی دینا پڑیگا اور مین نے تار ہی سے جواب دیدیا تھا کہ اس کا انتظام نہ کیجئے۔ لیکن یہان
ہونچکر پھر وہی تقاضہ شروع ہوا اور باوصف اس کے کہ یہان کی سردی نے مجھے یکسر "جمود دا نجماد" بنادیا تھا، بند ہال کے اندر
دہکتی ہوئی انگیٹھی کے سامنے مجھے "بپاس خاطر آنعزیز" یہ حرکت بھی کرنا پڑی۔ موضوع گفتگو نظیری کا یہ شعر تھا:-

درس ادب اگر بود زمزمۂ محبتے
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را

اور کسے خبر ہے کہ کتنی "سخنہائے ناگفتنی" میری زبان سے نکل گئین۔ میرا قیام یہان دو دن اور ایک شب رہا، لیکن یہ میرا دل
جانتا ہے کہ اس ۳۶ گھنٹے کی قلیل فرصت مین کیسا "امتنان کہن سال" لیکر وہان سے آیا اور وہان کا ایک ایک لمحہ کیسا وسیع
دفتر اخلاق وانسانیت تھا۔ مین اُن مادی مدارات کا ذکر مناسب نہین سمجھتا جو ان حضرات نے صرف فرمائین، لیکن ۱۸ ما رچ کے
شام کی وہ صحبت ضیافت جس مین میان احسان الحق صاحب ڈسٹرکٹ جج کی پُر لطف معیت نے ایک عجیب قسم کی زندگی
پیدا کردی تھی، ضرور قابل ذکر ہے۔ میان صاحب موصوف علیگڈھ کے تعلیم یافتہ ہین اور اُردو ادب کا نہایت صحیح ذوق رکھتے
ہین۔ اُردو اسقدر صاف وصحیح لب ولہجہ مین بولتے ہین کہ مین کبھی کیملپور مین کسی ایسے انسان کے وجود کا یقین نہین کرسکتا تھا۔
ان کے بعض لطائف ادب مجھے ہمیشہ یاد رہین گے۔ نارمل اسکول کے پرنسپل اور دار الاقامہ کے ناظم اعلیٰ (جو ولایت کے
گریجویٹ ہین) کا بھی ممنون ہون کہ باوجود (Typical) سخت قسم کے پنجابی ہونے کے انھون نے محض میری خاطر سے میرے
دو پانون کا خون کرنا گوارا کیا، حالانکہ ان مین سے ایک اُسی شب دماغ کی طرف صعود ریاح کی وجہ سے بیمار بھی ہوگئے۔ میرا جی
چاہتا تھا اور نہین کہسکتا کیون؟ کہ کم از کم چند دن اور یہان بسر کردن لیکن جب کام کی مصروفیت کا خیال آیا تو آخرکار
"رخت سفر" باندھنا ہی پڑا، لیکن یہ وعدہ کرآیا ہون کہ فروری یا مارچ مین معہ متعلقین کے تبدیل آب وہوا کیلئے آؤنگا
اور اس وقت تک اس وعدہ کی پابندی کا عزم دل مین رکھتا ہون

۱۹ر کی صبح کو لاہور پہونچا تو یہ تمام نقوش لطیف یہان کے موسم کو دیکھ کر محو ہوگئے۔ بارش کے سبب سے سردی بہت بڑھ گئی تھی اور سڑکون کی گندگی و عفونت کو دیکھ کر حیران تھا کہ جب پنجاب کے صدر مقام کا یہ حال ہے تو دوسرے مقامات کی حکومت بلدیہ (میونسپلٹی) کی کیا حالت ہوگی۔ حیران ہون کہ یہ سوراج کے طالب کس قابلیت نظم پر اتنا بڑا مطالبہ کر رہے ہین۔ کامل دو گھنٹے اسی "پیچھیچھا لیدر" مین بسر کرنے کے بعد اختر و رفیعی کا مکان ملا اور اسٹیشن کی بوریون کا پورا انتقام ان دونون حضرات سے لیا ۲۰ر کی صبح کو دھوپ نکلی تو باہر نکلا اور مال روڈ کا ایک پیادہ چکر لگا کر واپس آیا۔ مین غالباً اپنے اس جرم کو کبھی فراموش نہین کر سکتا کہ میان بشیر احمد صاحب سے ملنے کی تقدیم مین نے نہین کی، حالانکہ ان کے الطاف و عنایات کا مین حد درجہ گرانبار ہون

نیاز

عطر تیل عطر

ہر ماہ میں دس روپیہ کا عطر بطور تحفہ

اگر آپکو ایسے عطروں کی خواہش ہے۔ جو آپکے دماغ کو تر و تازہ کردیں۔ اور جن کے لگانے سے آپکو یہ معلوم ہو۔ کہ آپ پھولوں کی کیاریوں میں بیٹھے ہیں۔ تو ہمارے نئے طریق سے تیار کردہ عطروں کا استعمال کریں۔ جو میسور گورنمنٹ کے کارخانہ کے خالص صندل کے تیل میں تیار کئے جاتے ہیں۔ گو ہمارے پاس ہر قسم کے قیمتی سے قیمتی عطر موجود ہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل سستے عطروں کی نمونے کیلئے ہم سفارش کرتے ہیں۔

عطر چنبیلی۔ عطر گلاب۔ عطر سوسن۔ عطر عباسی۔ عطر تبریزی۔ عطر سنگترہ۔ عطر کرنا۔ عطر نرگس۔ عطر خس ہر ایک ۱۲؍ فی تولہ ان کے علاوہ چنبیلی گلاب۔ سوسن۔ تبریزی۔ سنگترہ اور نرگس کے عطر۔ تین پانچ۔ آٹھ روپیہ تولہ اور اس سے زیادہ قیمت کے مل سکتے ہیں) ہمنے فیصلہ کیا ہے کہ ہر ماہ میں قرعہ ڈالکر اپنے گاہکوں سے پہلے تین نمبروں پر رہنے والوں کو پانچ روپے تین روپے اور دو روپے کے عطر بطور تحفہ بھیجا کرینگے۔ اگر آپ مارچ کے انعام میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ تو فوراً اپنی درخواست بھیجدیں۔

ہمارا دلکش ہیر آئیل۔ بادام روغن۔ زیتون اور تلوں کے تیل سے مرکب مفید ادویہ سے تیار کردہ خوشبودار تیل فی سیر ۴؍ اور پاؤ بھر کی بوتل ۱؍ بالوں کیلئے بہترین تیل ہے۔ فوراً منگوا کر دیکھیں۔ درخواست دیتے وقت رسالہ کا حوالہ ضرور دیں

دلکشا پرفیومری کمپنی۔ قادیان: ضلع گورداسپور (پنجاب)

جنگ

تاریکی و ظلمت کا پیکر عفریت جہنم کا سایہ
اُف، دیو سیاہ جنگ جدل ابلیس لعین کا ہمسایہ

پُر ہول اک اژدر امن رُبا، اک زلزلہ افگن قہر خدا
پُر خوف نہنگ ظلم و غضب، سفاک و جفا جو دستِ قضا

اندھیر ہے کالی آندھی ہے، دم گھونٹنے والی فضائین ہین
اک ہیبت ناک سیاہی ہے، دہلانے والی صدائین ہین

وہ شور و غریو وہ ہنگامہ، وہ نعرے خون آشامون کے
وہ غلغلہ افگن بانگ و ہل، وہ ہُرّے طبل نوازون کے

وہ فیلِ مست کی چنگھاڑین، وہ مارسیہ کی پھنکارین
وہ زہرہ گداز مہیب سمان، خونریزون کی وہ للکارین

بجلی کی چمک، یا دل کی کڑک، چمقاق دو دم تلوارونکی
توپون کی قیامت خیز گرج، آواز قدم رہوارون کی

طغیان و تلاطم برپا ہے، طوفانون کا سناٹا ہے
اک گونج ہے صورِ قیامت کی، بندوقون کا دناٹا ہے

بے گنتی ڈھیر ہین لاشون کے اور خون کے دریا جاری ہین
فریاد کراہ سے نالون سے معمور فضائین ساری ہین

وہ ایک جوانِ رعنا کا میدانِ جنگ مین کام آنا
دل تھام کے سات سمندر پار اک بوڑھی ماں کا رہجانا

وہ سیکڑون عورتون بچون کا محرومِ مسرت ہوجانا
راحت کی بلندی سے گر کر نخچیر اذیت ہو جانا

یہ فاقہ، قحط، یہ بیکاری، یہ ساری برکت جنگ کی ہے
یہ دنیا والون پر آخر کیون طاری لعنت جنگ کی ہے

رفیعی اجمیری

رسالہ چین
اگر آپ نے ابھی تک نہین خریدا تو اب توجہ فرمایئے۔ اسوقت تک جنوری فروری کے رسالے نکل چکے ہین۔ مارچ کا طیار ہے۔ جو جو مضامین اس مین نکل چکے ہین اور نکلنے والے ہین وہ آپ اپنی نظر ہین اس رسالہ سے زیادہ دلچسپ د رسالہ کوئی نہین ہوسکتا سالانہ چندہ عہ، ۶ ماہ کی خریداری منظور نہین ہوسکتی
"منیجر نگار"

مشاہدات - واردات

وہ فلسفی تھا مسائل جو اُس نے وضع کئے
جہانِ عقل مین سمجھے گئے اصول حیات
اسی کے ساتھ اک آشفتہ حال شاعر نے
سُنائے چند ترانے، مصور جذبات
مسافرون نے سر رہگزر، جنھین گایا
کہ تلخ و صبر شکن ہون نہ راہ کے صدمات
جو روح بن کے رہے بانسری مین دہقانکی
شراب ناب مین جس طرح کیف کے اثرات
غرض کہ فلسفہ نذر تغیرات ہوا
فضائے روح مین نغمہ مئے حیات ہوا

تو، توازن چاہتا ہے، عقل اور جذبات مین
میرا دعوی ہے کہ یہ طرز عمل ممکن نہین
مرکزِ اجزائے رندی و ہوسناکی سہی
خواہشات نفس کی صہبائے غفلت آفرین
کچھ مگر اس سے بھی آگے ہین حدودِ خواہشات
موج ہے طوفانِ دل کی تیری ہر سطر جبین
ہان تجھے اک رہرو گم کردہ منزل کی طرح
ہر قدم ہوتا ہے منزل آشنائی کا یقین
امتیاز و فخر کی رو مین بہا جاتا ہے تو
کچھ نہین اسکے سوا علم و فراست ہم نشین
روح مین بیدار ہین کیفیتین جذبات کی
آدمی اک لہر ہے طوفانِ محسوسات کی

علی اختر اختر (حیدر آباد)

غزلیات

ریاض خیرابادی

یاسمن زار نہ ہو لطفِ چمن زار نہ ہو
پھول اُڑتی ہے جہان کوئی وہان خار نہ ہو

حشر کی دھوم سرِ رہگزرِ یار نہ ہو
دو قدم آگے اگر فتنۂ رفتار نہ ہو

دامن برق حجاب اب دمِ دیدار نہ ہو
جس سے بجلی گرے وہ گرمیِ گفتار نہ ہو

اے حسینو رہے انگشت نما دزدِ حنا
دل مین جو چور ہے اُسکا کبھی اظہار نہ ہو

ان کی جنبش ہے کہین تیغ سے بڑھکر قاتل
چوڑیان دستِ حنائی مین ہون تلوار نہ ہو

نہ اُٹھے پردہ جو آپس مین نگاہین نہ ملین
دل کی دل ہی مین رہے آنکھ اگر چار نہ ہو

بارِ عصیان کے سوا دو دو فرشتے سرِ دوش
لطف یہ بندۂ عاجز کو ذرا بار نہ ہو

کب سے کشتی ہے بھنور مین مری اے بیم بلا
ڈوب ہی جائے یہ کمبخت اگر پار نہ ہو

مانگتا ہون یہ دعا حشر کا دن۔ رات بنے
اے تو میری طرح کوئی سیہ کار نہ ہو

دل کی بات آئے زبان پر نہ کسی کے آگے
آنکھ جو چاہے کہے، لب سے کچھ اظہار نہ ہو

سرِ خم دیکھ کے ساغر یہ کہا مستون نے
خط ساغر کوئی برق سرِ کہسار نہ ہو

ایسے باوضع بہت ہین ہمین دو ایک نہین
توبہ کے بعد بھی پینے سے جنھین عار نہ ہو

رہن مے جبّہ و دستار امامت بھی ہوے
اس طرح بھی کوئی بے جبّہ و دستار نہ ہو

ساتھ رہنا ہے تو مل جل کے رہین دوش بدوش
یہ تو کچھ بھی نہین تسبیح ہو زنّار نہ ہو

اے جنون ابکی بہار آئے تو اس لطف سے آئے
فرش گل پاؤن کے نیچے ہو کوئی خار نہ ہو

پینے آیا ہے سوئے میکدہ جو آبِ حیات
خضر صورت یہ پُرانا کوئی میخوار نہ ہو

سب کے لب پر ہے مجھے دیکھ کے توبہ توبہ
کوئی اتنا بھی زمانے مین گنہگار نہ ہو

مین نے تم سے جو بتو آنکھ چُرائی ہو کبھی
حشر کے روز خدا کا مجھے دیدار نہ ہو

خلق کو دھوکے مین ڈالا ہے مقدس بن کر
اے ریاض آپ سا بھی کوئی گنہگار نہ ہو

سنجر عظیم آبادی

دلِ پُر داغ اپنا ہجر مین مہر درخشان تھا
کہ تاریکی کے پردے مین پیام صبح خندان تھا

مرے جوش جنون سے یون ہویدا زخم پنہان تھا
جہان جا کر لہو رویا وہی صحرا گلستان تھا

ترے جلوے تھے لاکھون پردۂ فانوس مین پنہان
مگر تھا جان پروانہ وہی شعلہ جو عریان تھا

ہوا یہ عشق کی دنیا مین کیسا انقلاب اے دل
وہی صحرا کا دامن جو ہے کل صحن گلستان تھا

نہ پوچھ اے ہم نفس دیوانگیٔ عشق کی وسعت
جدہر وحشت مین جا نکلے وہی اپنا بیابان تھا

تری چوکھٹ پہ تھی سو بار وحشت مین جبین اپنی
جب آیا ہوش دیکھا تو بیابان ہی بیابان تھا

وہی فرط الم سے ہو گیا غربت مین دھندلا سا
دل پر داغ جو آئینۂ حسن نمایان تھا

جو دیکھا دیدۂ وسعت نظر سے اپنی ہستی کو
تو ہر ذرہ مین پنہان جلوۂ تصویر جانان تھا

طلب مین اسکی مر کر اور دوری ہو گئی سنجر
غنیمت زندگی ہی تھی کہ وہ قرب رگ جان تھا

فرخ بنارسی

اک طرف کعبہ ہے اک سمت صنم خانہ ہے
سالکِ راہ طلب بیچ مین دیوانہ ہے

حسن پردے مین ہے دل عشق مین دیوانہ ہے
شمع فانوس مین ہے رقص مین پروانہ ہے

حیرت انگیز ہے عرفان جنون کی منزل
عشق تو عشق جہان حسن بھی دیوانہ ہے

حشر تک خاک کا ہر ذرہ کرے گا فریاد
یہ نہ سمجھو کہ یہین تک مرا افسانہ ہے

نشہ مین کہتی ہے ہر عقدۂ مشکل کی گرہ
شرح اسرارِ حقیقت خط پیمانہ ہے

لائی لے بیخودی شوق کہان تو مجھکو
کہ جہان کوئی نہ اپنا ہے نہ بیگانہ ہے

مستِ فطرت کو ہے سامان خدا ساز نصیب
ساقی صبح کا ہر پھول مین میخانہ ہے

بیخودی اسکی جنون اسکا ہے وحشت اسکی
اے خوشا وہ جو ترے عشق مین دیوانہ ہے

قطرۂ اشک کو ناچیز سمجھنے والے
میری ہستی کا یہی حاصل افسانہ ہے

گر نہین مظہر انوار تجلی نہ سہی
آدمی اپنی حقیقت کا تو افسانہ ہے

ہے فریب نگہ چشم تصور فرخ
ورنہ کعبہ ہے حقیقت مین نہ بت خانہ ہے

سرمہ تریاق چشم
اس کے متعلق حضرت نیاز فتحپوری صاحب اڈیٹر رسالہ نگار تحریر فرماتے ہین کہ تجربہ سے یہ سرمہ بہت مفید ثابت ہوا ہے اور آنکھ کے بہت سے امراض کے لئے کارآمد چیز ہے۔۔
قیمت علاوہ محصول ۔۔۔۔ عہ
انڈین میڈیکل اسٹور نظیر آباد لکھنؤ